بیادگار:۔ سلطان القلم حضرت علامہ سید مناظر احسن گیلانیؒ

اکابر کی روایتوں کا پاسدار، قدیم وجدید تحریروں کا حسین امتزاج

ماہنامہ

مدیر

محمد سعید اللہ قاسمی مہراج گنجی

معاون مدیر

محمد فہیم قاسمی گورکھ پوری

آئینہ اوراق

صدائے المناظر

المناظر کا آغاز سفر

تمام تعریفیں اس ستودہ صفات ذات کے لیے جو اپنے امر " کن" سے کمزور و ناتواں افراد کو اپنی طاقت و قدرت کا ذریعہ بناتا ہے، جو کمزور ابابیلوں سے طاقتور ہاتھی والوں کو خاک میں ملا کر نشان عبرت بناتا ہے اور صنم خانے کے پجاریوں سے اپنے گھر کی حفاظت کا کام کا لیتا ہے، جو خوفناک اژدہوں کو حقیر لاٹھی کے ذریعے شکست فاش دے کر اپنے فرستادہ پیغمبر کی سچائی اور حقانیت کو ظاہر کرتا ہے، سمندر میں خشک راستے بنا کر اپنے پیرو کاروں کو نجات عطا فرماتا ہے اور انا ولا غیری کا دعویٰ کرنے والے اور اس کے مصاحبین کو غرق آب کر دیتا ہے، جو ننھے مجاہدین کے ذریعے کفر و شرک کے علمبردار ابو جہل کو صفحۂ ہستی سے مٹاتا ہے اور وقت کے طاقتور شہنشاہ اکبر کے لادینی نظام کو ایک مرد قلندر کے ذریعے قصہ پارینہ بناتا ہے۔

اسی واجب الوجود ذات نے نقوش گیلانی کی ترتیب کے دوران قلم ہاتھ میں پکڑا دی اور کچھ ایسی ٹیڑھی میڑھی لکیریں کھینچوائی گئیں جسے ملک کے مؤقر رسالوں کے باوقار مدیر صاحبان نے اپنے رسالوں میں شائع فرما کر حوصلہ افزائی فرمائی اور رفقاء کی جماعت نے بھی نیک خواہشات کا اظہار کیا، چنانچہ مذکورہ بالا چیزوں نے دل میں ایک ارادے کو مہمیز لگائی، جس کا اظہار اپنے قدیم رفیق مولانا سعید اللہ صاحب قاسمی سے کیا، محترم نے اس پر بڑی خوشی کا اظہار فرمایا اور درخواست پر ادارت کی ذمہ داری بھی قبول فرمائی، اس کے لئے ہم آنجناب کے مشکور وممنون ہیں۔

''المناظر'' کی نسبت رئیس التحریر، سلطان القلم، صاحب طرز ادیب حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی نور اللہ مرقدہ کی ذات گرامی کی طرف ہے، جن کی علمی اور ادبی تحریروں نے اردو ادب کو ایک نئی جہت عطا فرمائی، اللہ تعالیٰ اس رسالہ المناظر کو اسم بامسمیٰ بنائے۔

ماہنامہ المناظر کا مقصد حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اکابر علمائے دیوبند کی کوثر و تسنیم میں ڈوبی ہوئی تحقیق و تدقیق سے معمور تحریروں کو نسل نو کے سامنے پیش کرنا ہے نیز جدید باصلاحیت فضلاء پر مشتمل قلمکاروں کی ایسی جماعت تیار کرنا ہے جو اپنے علمی مضامین اور ادبی تحریروں کے ذریعے اصلاح ملت کے ساتھ ساتھ اپنے جولانئ قلم کو تیز سے تیز تر کر سکیں اور قلم سے ان کا رشتہ مضبوط سے مضبوط تر ہو جائے، تا کہ وہ مستقبل میں اپنی انقلابی تحریروں سے اسلاف کی طرح ملت مرحومہ کے انحطاط کا کچھ ازالہ کر سکیں۔

اسباب ووسائل کے فقدان کے پیش نظر المناظر کا صرف برقی ایڈیشن ہر قمری ماہ کے پہلے ہفتے میں نیٹ پر شائع کر دیا جائے گا۔ احباب جسے واٹس ایپ (7905991793) اور ای میل کے ذریعہ بھی حاصل کر سکیں گے۔ ان شاء اللہ اللہ تعالیٰ اس رسالہ المناظر کو بام عروج عطا فرمائے اور پیش آمدہ رکاوٹوں کو اپنے فضل سے دور فرما کر اسے اصلاح امت اور ہم سب کی صلاح وفلاح کا ذریعہ بنائے۔ آمین

معاون مدیر

☆---☆---☆

نقوش رحمت

یوم میلاد سرور کائناتﷺ

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ

انسان ہمیشہ اپنے بڑوں اور بزرگوں کی یادگار مناتا ہے۔ اپنی تاریخ کے اونچے سے اونچے رہنماؤں اور لیڈروں کی، بادشاہوں اور شہنشاہوں کی، بہادروں اور جرنیلوں کی، باکمال ہنرمندوں اور اپنے وقت کے ہیرو کہلانے والوں کی یاد مناتا ہے۔ ان کے نام پر دن منائے جاتے ہیں، مجلسیں اور محفلیں منعقد ہوتی ہیں، جلسے جلوس، تذکرے اور تقاریر کی رسوم ادا کی جاتی ہیں اور مرنے والوں کے اوصاف و کمالات کو یاد کر کے داد دی جاتی اور ان کے بقائے دوام کی سبیل پیدا کی جاتی ہے، آج کا دن بھی ایک تاریخی جشن مسرت اور دنیائے انسانی کی ایک عظیم الشان یادگار ہے لیکن ایسی یادگار جو اپنی آن اور شان میں دوسری یادگاروں سے نرالی اور انوکھی ہے۔

آج ہم اس برگزیدہ ہستی یعنی رسول خدا سرور کائنات محمد مصطفیﷺ کی یادگار منا رہے ہیں۔ جن کی اقدس وارفع شخصیت، جن کی تعلیم ودعوت، قیادت وسیادت اور کمال انسانیت تاریخ عالم کی وہ زندہ جاوید یادگار رہے، جو اپنے کسی تذکرے یا یادگار، کے منائے جانے کی محتاج نہیں ہے۔ اگرچہ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ان کی یاد اور ان کا تذکرہ ہمارے لیے سرمایہ سعادت اور آیہ رحمت ہے، ابتدائے آفرینش سے آج تک دنیا میں بے شمار نامور انسان، ہزاروں ریفارمر اور مصلحین گزرے ہیں، لیکن ایک ریفارمر اور ایک سچے نبی ورسول کے درمیان جو سب سے بڑا امتیاز ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ کسی مصلح، ریفارمر، لیڈر یا رہنما کے بہترین کیریکٹر کے لئے یہ وصف کافی سمجھا جاتا ہے کہ جس شعبہ حیات میں وہ رہنمائی کر رہا ہے، اس میں اس کی اخلاقی برتری اور کردار وگفتار کی صفائی قابل تقلید ہو، باقی دوسرے شعبہ ہائے زندگی میں کتنی ہی خامی، کمی اور کوتاہی کیوں نہ ہو، اس پر انگشت نمائی نہیں کی جاسکتی۔ لیکن نبوت ورسالت کا منصب اس سے بالکل جدا اور بہت اعلیٰ وارفع ہے۔ بالخصوص وہ مقدس ہستی جس کی رسالت ونبوت اپنی جلالت شان اور رفعت قدر کے لحاظ سے تمام انبیاء ورسل کے لئے بھی اُسوہ اور معیار قرار پائی اس کے لئے ازبس ضروری تھا کہ اس کی خلوت وجلوت اور زندگی کا ہر شعبہ اس درجے صاف، روشن اور کامل ومکمل ہو کہ نقص وعیب یا خامی وکمزوری کا کوئی سوال ہی پیدا نہ ہوسکے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ سن وسال کے اعتبار سے اگرچہ پونے چودہ سو سال کی طویل مدت گزر چکی ہے لیکن رسول اکرم سرور عالم حضرت محمدﷺ کی حیات مقدس کا ایک ایک لمحہ اور ان کی زندگی کا ایک ایک ورق آج بھی ہمارے سامنے اسی طرح روشن ہے، جیسے آج ہی کی بات ہے۔ ان کی خلوت اور ان کی جلوت، خانگی

اورنجی زندگی بھی اور بیرونی زندگی بھی۔ان کے معاملات واشغال بھی اوران کا رہن سہن بھی،ان کا لین دین اور وضع وقطع بھی اور ان کا قول وعمل یا اخلاق وکردار بھی،غرض زندگی کا ہرشعبہ دنیا کی رہنمائی کے لئے آج بھی آفتاب عالم تاب کی طرح چمک رہا ہے،ولادت باسعادت سے لے کر زندگی کے آخری لمحات تک آپ کی سیرت پاک لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ کا مرقع اور رشد وہدایت کی ایک جیتی جاگتی تصویر ہے،آپ کے بچپن کی تاریخ دیکھئے تو دنیا کے عام بچوں کی طرح کھیل کود،سیر وتماشا،لغویات اور بیہودگیوں اور طفلانہ حرکات ومشاغل کی جگہ سنجیدگی ومتانت،کرامت نفس وشرافت،طہارت ولطافت اور برمحل افکار واشغال کا ایک حیرت انگیز اور قابل تقلید نمونہ آپ کو ملے گا۔

آگے بڑھیے اور نبی کریم کے عہد شباب کا مطالعہ کیجئے۔ایک انسان کی زندگی میں جوانی کا دور سب سے نازک دور ہوتا ہے لیکن جب آپ محمد عربی فداہ روحی ابی وامی کی سیرت کے اس دور کے ابواب پڑھیں گے تو حیرت ہوگی یہ دیکھ کر کہ وہاں بھی عام انسانی سطح سے بہت بلند،اور غلط جذبات ورجحانات سے بالکل الگ،حلم وبردباری،پیرانہ فراست ودانش مندی،ریاضت وتزکیہ نفس اور مخلوق خدا کی خدمت کا ایک قیمتی سلسلہ ہے جو شب وروز کا عام مشغلہ اور صبح سے شام تک کا کاروبار ہے،اور سب سے آخر میں نبی کریمؐ کے عہد پیری کا مطالعہ کریں گے تو دیکھیں گے کہ سیرت پاک کے آخری تئیس سال اس عظیم الشان انقلاب کی تاریخ ہیں،جو آپ کی حیات مقدسہ کا مقصد ومنتہا ہے،خاتم الانبیاء سرکار دوعالم،رسول اکرم محمد مصطفیٰ ﷺ کی ولادت باسعادت ایک ایسی سرزمین،ایک ایسے گھرانے اور ایک ایسی قوم میں ہوئی جہاں تعلیم،تہذیب،تمدن غرض ارتقائے انسانی کے ذرائع مفقود ونا پید تھے۔آپ کی ذات مبارک اس عالم میں وجود میں آئی کہ باپ کا دست شفقت شروع سے دیکھا ہی نہیں اور چند سال بعد ہی ماں کے آغوش محبت سے محروم ہوگئے۔لیکن تاریخ ماضی کے اوراق شاہد ہیں کہ دنیوی اسباب وذرائع سے یکسر محرومی کے باوجود آپ نے ایک بن کھیتی کی سرزمین میں رہ کر،نہ صرف ایک غیر مہذب اور غیر متمدن قوم کو سیاست وسیادت کے جوہر بخشے۔ بلکہ ٹھیک ایسے وقت میں جب کہ کفر وشرک،ظلم وعدوان،زیردستوں کی مظلومیت اور زبردستوں کا تشدد اور زندگی کی ہر شاخ میں افراط وتفریط کی تاریکیاں دنیا پر چھائی ہوئی تھیں،آپ نے عدل وانصاف،توحید الٰہی،خدمت خلق اور ہمدردی عالم کی روشنی دنیا نے مذہب،سیاست،معیشت،معاشرت غرض دنیا کی چلتی پھرتی اور متحرک زندگی میں جہالت وتاریکی کو فنا کر کے روشن وتاباں آفتاب حقیقت کی طرف رہنمائی کی۔

آپ نے مذہب کی بنیاد خدا پرستی اور عقل ودانشور کی افادیت پر رکھی انسانوں کو انسان کی غلامی سے نکال کر خدا کی دی ہوئی صداقت ''کلام الٰہی'' کی روشنی میں آزادی بخشی۔آپ نے ظلم وتعدی کو عدل وانصاف سے،تحکم واستبداد کو جمہوریت وشورائیت سے،انسانوں کی باہمی کشمکش اور طبقاتی جنگ کو تعاون ومساوات اور اخوت وہمدردی سے کفر وجہالت کو خدا پرستی وتوحید الٰہی سے بدل کر دنیا کا نقشہ ہی کچھ سے کچھ بنادیا،آپ نے ایک طرف اس دور کے پھیلے ہوئے فسق وفجور،ظلم وجور اور جورع الارض کی شخصی حکومتوں کے تختے الٹ کر انسانوں کو عدل ومساوات کی قدر وعظمت بخشی،اور دوسری طرف سادگی اور

غربت ومسکنت کو اپنا طغرائے امتیاز بنایا۔ چنانچہ آپ کی پوری زندگی میں آپ کا لباس پیوند لگے ہوئے کپڑے، آپ کا بستر پرانی کھال کا ایک نمدہ اور خدا کا بچھایا ہوا فرش زمین، آپ کا مکان ومحل کھجور کی ٹٹیوں کا ایک چھوٹا سا حجرہ اور آپ کی غذا جو کی روٹی، کچھ کھجوریں اور پانی کا ایک پیالہ رہی۔ اسی سادگی اور مسکنت کے عالم میں آپ نے خدا کے بھروسے اور اپنے دست بازو کے بل پر جائز وحلال روزی بھی کمائی، بکریاں بھی چرائیں اور شام کے بازاروں میں تجارت بھی کی اور دوسری طرف قوم وقبائل کے نزاعات کے وہ فیصلے بھی کیے جو عدل وانصاف کے نادر نمونے کہے جاسکتے ہیں۔ آپ کی دیانت وصداقت کا یہ عالم تھا کہ قوم نے امین اور صادق کے لقب سے یاد کیا اور آپ کے دشمنوں نے بھی اپنی امانتوں کو محفوظ رکھنے کے لئے آپ ہی کی دیانت اور آپ کی ذات مقدس پر اطمینان کیا۔

آپ ہی کی ذات ستودہ صفات ہے جو انسانی عفت و پاکدامنی، اعتدال ومیانہ روی اخلاق وکردار کی صفائی اور محاسن انسانی کا مکمل ترین نمونہ اور انسانیت کے عروج وکمال کی سب سے اعلیٰ مثال ہے۔ خود لسان نبوت کا ارشاد ہے ''بعثت لاتمم مکارم اخلاق'' میں دنیا میں اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاق کے حسن ومکارم کی تکمیل کردوں اور مکارم اخلاق کی ایک زندہ جاوید یادگار دنیا کے سامنے چھوڑ جاؤں۔ چنانچہ آپ کا لایا ہوا وہ پیغام جو انسان کو حقیقت اور سچائی کی راہ دکھاتا ہے اسی اعلیٰ مشن کی تعبیر اور آپ کی سیرت پاک اور اس کی عملی تفسیر ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ نبی کریمؐ کی تعلیمات رشد وہدایت کے وہ سرچشمے ہیں جو ہمیں انسانیت اخوت ومحبت، حق گوئی وحق پرستی، ظلم سے درگزر اور مخلوق خدا کے ساتھ حسن سلوک، مواسات و بھائی چارہ اور ہمدردی وغم خواری، زبردست وبے نوا کی مدد اور تعدی دست درازی کے انسداد کے وہ اعلیٰ اصول بتلاتی ہیں جو دنیا میں ہمیشہ انسانی سوسائٹی کی فلاح وبہبود کے لئے لازمی اور بنیادی اصول ہیں۔ ساڑھے تیرہ یا پونے چودہ سو سال گزر چکے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام نے مکہ کی پہاڑیوں سے اپنی آواز دنیا کو سنائی تھی لیکن وہ آج بھی دنیا میں اسی طرح گونج رہی ہے۔ اس لیے کہ یہی حق وصداقت کی وہ آواز ہے جو کبھی فنا نہیں ہوسکتی اور یہی وہ پیغام ہے جو انسان کو انسانیت اور اخوت ومحبت کی راہ بتلاتا ہے۔ کوئی شبہ نہیں کہ اس پیغام رحمت کا لانے والا اور عالم انسانی کو فلاح وبہبودی کی راہ بتانے والا دنیائے انسانیت کا سب سے بڑا محسن تھا اور آج کا دن جب کہ ہم محسن اعظم کی یاد منا رہے ہیں تمام عالم کے لئے مسرت کا دن ہے۔

ومارسلناک الارحمة للعالمین، اللهم صلی علیه وعلی آله واصحابه اجمعین

☆------☆------☆

مدینہ مارکیٹ

یہودیت سے اسلام تک

یا

اسلامی تاریخ کا ایک پنہاں باب

مفتی محمد طالب قاسمی گورکھ پوری

شعبہائے اسلام میں ایک اہم شعبہ معاملات کا ہے،،جس طرح دیگر شعبوں مثلاً عقائد وعبادات کے لئے احکام و جزئیات بالتفصیل بیان کر دیئے گئے ہیں ایسے ہی معاملات کی تفصیلات بھی شریعت اسلامیہ میں بالکل واضح کر دی گئی ہیں،،حلال وحرام، جائز وناجائز، طیب وخبیث کی مکمل وضاحت قرآن وحدیث میں کر دی گئی ہے لیکن عصر حاضر میں جس طرح سے امت مسلمہ نے عقائد وعبادات کو ہی مکمل دین سمجھ لیا ہے وہ باعث فکر ہے، امت معاملات سے اس طور پر غافل ہوئی ہے کہ حلال وحرام کی تمیز بھی باقی نہیں رہی ہے اور معاشی تنزلی کا ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ انہوں نے اسلام کے تجارتی اصولوں کو بھلا دیا اور تجارت کو دین سے خارج چیز سمجھ بیٹھے، تجارت کسب معاش کا ایک بہترین ذریعہ ہے، تجارت کرنے والے اگر حصول نفع کی لگن کے ساتھ ساتھ حلال رزق کے حصول اور اس سے مستحقین کے حقوق کی بہتر طور پر ادائیگی کی فکر کریں تو اخروی اعتبار سے بھی موجب ثواب ہوگی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت اور تاجر دونوں کے فضائل بیان فرمائے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **ألتاجر الصدوق الأمين مع النبيين والصديقين والشهداء** (سنن ترمذي) **عليكم بالتجارة؛ فإن فيها تسعة اعشار الرزقة** (المغني ٦ ١٥٧) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بازار کو ابغض البلاد فرمایا ہے اور شیطان سے جنگ کا میدان بھی قرار دیا ہے،،

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ آنے کے بعد جو تجارتی اصول وضع کئے ہیں اور جس طرح سے بازار سے یہود کی بالا دستی کو ختم کر کے اسلامی تجارت کی عملی تصویر پیش کی ہے وہ آپ کی تاجرانہ صلاحیت کی غماز ہے، معاشی ترقی وخوشحالی کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کئے گئے اقدامات سیرت نبوی کا ایک روشن باب ہیں جو لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہیں،، اسی کی تفصیلات ذیل میں پیش کی جارہی ہیں---

طائف میں زراعت کے بالمقابل تجارت کم تھی اور مکہ مکرمہ صرف تجارتی مرکز تھا جب کہ مدینہ منورہ میں دونوں چیزیں

موجود تھیں، کھجور، انگور، جو، انجیر، انار، کیلا کی پیداوار مدینہ منورہ میں ہوتی تھی اس کے علاوہ مختلف قسم کی سبزیاں بھی اگائی جاتی تھیں لیکن بازار پر یہودیوں کی اجارہ داری تھی، لم يكن العرب يعيشون في الجاهلية معيشة واحدة فقد عرفت الزراعة في الجنوب و الشرق و واحات الحجاز مثل يثرب و خيبر و في الطائف و وادي القرى و عاش اهل مكة على التجارة إذ كانوا يحملون عروضها و سلعها بين حوضي المحيط الهندي و البحر المتوسط (تاريخ الادب العربي 75/1) كان الإنتاج الزراعي. ثم الحيواني. عماد الحياة بالمدينة و كانت التمور اهم المحاصيل التي يتم إنتاجها، و قد احاطت يثرب هالة من الحوائط المغروسة بالنخيل غرسها سادات يثرب فصارت من اهم موارد رزقهم و كانت ارض المدينة صالحة لز اعة النخيل حتى قيل " إن ودية النخل كانت تثمر بعد عام من زرعها و على إنتاج النخيل كان يعتمد السكان اصبح التمر جل طعامهم و كانت تدفع اليه الاجور و تسدد الديون و قد ورد أن جابر بن عبد الله الخزرجي كان مدينا لاحد اليهود وسقا من تمر......و أما غلات الحبوب مثل القمح و الشعير فتأتى بعد محصول التمر من حيث الكثرة اذ كانوا يزرعونها تحت النخيل و كان الشعير يحتل المقام الأول في اعتماد الناس عليه في حين أن زراعة القمح كانت لا تكفي حاجة السكان و لذلک ذكر ان القمح كان يحمل من البلقاء من اعمال دمشق الى المدينة،زرع اهل المدينة بعض انواع الفاكهة مثل الكروم و الرمان و الموز و الليمون و البطيخ كما كانت تزرع بعض الخضراوات كالقرع و اللوبيا و السلق و البصل و الثوم و القثاء (تاريخ قبيلة الخزرج في الجاهلية و حتى نهاية عصر الخافاء الراشدين ٦٠-٦٣)

مصنوعات میں بھی اہل مدینہ کسی سے کم نہ تھے، زیورات، ہتھیار، کپڑے اور لکڑی کے سامان اہل مدینہ خود تیار کرتے تھے اور اس کی تجارت کرتے تھے، انگور کی زیادتی کے سبب شراب کی بھی کثرت تھی اور اکثر شراب خانے یہود کے تھے کانوا يصنعون الخمر من التمر و البسر و كانوا يسمونها الفضيخ و يشربونها و يتاجرون فيها كما كانت المدينة مشتهرة بصناعة الحلى و الزينة للنساء و قد تخصص فيها يهود بنى قينقاع كما كانت صناعة الاسلحة من اهم صناعات المدينة اشهرها و الى جانب هذه الصناعات المهمة كانت النساء الخزرجيات تقوم بصناعة النسيج كما كانت الخياطة و الدباغة من الصناعات و الحرف التى يحترفونها بعض الناس فقد صنعوا الخزف و الفخار من الطين و كانوا يستخدمونه فى اوانى الشرب و الاكل و ينقشون عليه بعض النقوش و هكذا كان للصناعة اهمية كبيرة فى المدينة و كان يقوم بها العرب و اليهود سواء و لكن العرب كانوا يأنفون من العمل فى بعض الوناعات كالحدادة فعل بها الموالى و العبيد ممن قدموا الى المدينة و اقاموا فيها(تاریخ قبیلۃ الخزرج ٦٤)

ورود اسلام سے قبل بازار میں بہت سی برائیاں موجود تھیں جن کی بنا پر اسے ابغض البلاد کہا گیا، جھوٹ، فریب، بے جا ٹیکس، احتکار، تلقئ جلب اور سود کے ساتھ مختلف قسم کے ناجائز عقود رائج تھے، ایک پیمانے سے خریدنا اور دوسرے سے بیچنا عام تھا، ایک شخص ابورافع تاجر حجاز کہلاتا تھا جس کا سارے بازار پہ کنٹرول تھا اسی کی مقرر کردہ قیمت بازاری قیمت ہوتی تھی، مختلف مواقع پر کثیر مقدار میں مال فراہم کر کے دشمنان اسلام کی مدد کی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ایک رات عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ نے اس کے قلعہ میں گھس کر قتل کر دیا (بخاری، کتاب المغازی)، اس کے ایماء پر ہی کسی غیر یہودی کو بازار میں ابھرنے نہ دیا جاتا تھا، مکہ مکرمہ میں چوں کہ اصل کام تجارت تھا ہجرت کے بعد جب مہاجرین نے ان بازاروں میں تجارت شروع کی تو یہود نے انہیں طرح طرح سے پریشان کیا، یہود کے نظریہ کے مطابق مسلمان گمراہ تھے لہذا ان کا استحصال جائز ہی نہیں بلکہ مستحسن تھا، یہود اپنے بازار میں تجارت کرنے والے مسلمانوں سے زائد ٹیکس بھی وصول کرتے تھے، مسلم عورتوں سے بدتمیزی کیا کرتے تھے **كان من امر بنى قينقاع أن امرأة من العرب قدمت بجلب لها (بضاعة لها) فباعته بسوق بنى قينقاع و جلست الى صائغ بها فجعلوا يريدونها على كشف وجهها فأبت فعمد الصائغ الى طرف ثوبها فعقده الى ظهرها فلما قامت انكشفت سوأتها فضحكوا بها،فصاحت فوثب رجل من المسلمين على الصائغ فقتله و كان يهوديا و شدت اليهود على المسلم فقتله فاستصرخ اهل المسلم المسلمين فغضب المسلمون فوقع الشر بينهم و بنى قينقاع** (السیرۃ النبویۃ لابن ہشام)

یہود کی شرارتوں سے مسلمانوں کو نجات دلانے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک علحیدہ بازار کے قیام کا ارادہ کیا اور ایک مقام پر خیمہ وغیرہ بھی نصب کر لیا گیا لیکن یہود نے آ کر خیمہ کی رسیاں کاٹ ڈالیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کے قریب ہی بازار قائم کیا و **روى ابن شبة ايضا عن صالح بن كيسان قال: ضرب رسول الله صلى الله عليه وسلم قبة فى موقع الزبير فقال:هذا سوقكم فاقبل كعب بن الاشرف فدخلها و قطع اطنابها فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا جرم لأنقلنها الى موضع هو اغيظ له من هذا فنقلها الى موضع سوق المدينة، ثم قال: لا سوقكم لا تتحجروا و لا يضرب عليه الخراج** (وفاءالوفاء 747)

اس نئے بازار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام برائیوں پر پابندی عائد کر دی جو یہود کے بازار میں رائج تھیں، یہود کے بازار میں ہر کسی کو دوکان لگانے کی اجازت نہ تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بازار کے احاطے میں کسی بھی تاجر کو آ کر دوکان لگانے کی اجازت دی، یہود کے بازار میں حد درجہ ٹیکس تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس بازار میں خرید و فروخت کرنے والوں سے کوئی ٹیکس نہیں لیا جائے گا،......**ثم قال لا تتحجروا و لا يضرب عليه الخراج** (وفاء الوفاء ۷۴۷) یہ دو اصول ایسے تھے جنہوں نے لوگوں کی توجہ بہت تیزی سے اپنی سمت مبذول کرائی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ضابطہ مقرر کیا تھا کہ کوئی جگہ کسی تاجر کے لئے مستقل نہ ہوگی بلکہ جو پہلے آئے وہ

اپنی من چاہی جگہ پر دوکان لگا سکتا ہے جس کا فائدہ یہ ہوا کہ بازار سویرے کھلنے لگا لیکن جب تاجروں نے دیکھا کہ بازار اچھا ہے اور کاروبار بھی ترقی کر رہا ہے تو انہوں نے اپنی متعین جگہوں پر خیمہ لگا کر مستقل کرنے کی کوشش کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس خیمہ کو جلا دیا جائے، **عن ابی ذئب ان رسول الله صلی الله علیه وسلم مر علی خیمة عند موضع دار المنبعث فقال: ما هذه الخیمة؟ فقالوا: خیمة لرجل من بنی حارثه کان یبیع فیها التمر،فقال حرقوها فحرقت، قال ابی ذئب بلغنی ان الرجل محمد بن سلمة** (وفاء الوفاء ۷۴۹) سہولیات فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاجرانہ اصولوں پر جس سختی سے عمل کرایا وہ اسلام کے ضابطہ حیات ہونے کا ثبوت ہے۔

یہود کے بازار میں دو قسم کے پیمانے رائج تھے،ایک پیمانے سے وہ خریدتے اور دوسرے سے فروخت کرتے، پھر مختلف علاقوں میں مختلف پیمانے رائج تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ختم فرمایا اور ایک پیمانہ متعین فرمایا، اہل مکہ تجارت میں فوقیت رکھتے تھے اور درہم و دینار سے ان کا واسطہ زیادہ تھا، سونا چاندی ان کے پاس بکثرت تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وزن کے لئے اہل مکہ کے پیمانہ کو معیاری قرار دیا جب کہ ناپنے کے لئے مدینہ کے پیمانے معیاری مانے گئے **حدثنا عثمان بن أبي شيبة حدثنا ابن دكين حدثناسفيان عن حنظلة عنطاوس عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الوزن وزن أهل مكة والمكيال مكيال أهل المدينة** (سنن ابی داؤد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بازار غلہ، جانور اور اسلحہ کی خرید و فروخت کے لئے الگ الگ حصے مقرر کئے تا کہ کسی قسم کی گڑبڑی نہ ہو، **و روی ابن شبة عن ابی مردود عبد العزیز بن سلیمان ان عمر بن الخطاب رأی کیر حداد فی السوق فضربه برجله حتی هدمه و قال اتنتقص سوق رسول الله صلی الله علیه وسلم** (وفاء الوفاء ۷۴۹)

بازار میں تاجروں اور خریداروں کے لیے کچھ اصول مقرر کئے، مثلاً جو اس میں داخل ہو وہ اپنا اسلحہ اس طرح رکھے کہ اس سے لوگوں کو تکلیف نہ ہو، راستوں میں کوئی نہ بیٹھے تجارتی قافلوں کی آمد و رفت کے لئے سڑکوں کا انتظام کیا۔

تاجروں سے حسن سلوک

نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود ایک معزز تاجر تھے اور تجارت کے قابل عزت پیشہ سمجھتے تھے جو معاشرہ کی معیشت میں ایک اہم رول ادا کرتا ہے اسی لئے دور نبوی سے تاجروں کو احترام سے دیکھا جانے لگا تاجروں کی عزت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاجر کا نام دیا اس سے پہلے عرب میں تاجروں کے لئے سمسار کا لفظ استعمال کیا جاتا تھا اور فرمایا کہ تم قسم بہت کھاتے ہو اس لیے تجارت کے ساتھ صدقہ کو ملائے رکھو **عن قیس بن غرزة قال: کنا نسمی فی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم السماسرة فمر بنا رسول الله صلی الله علیه وسلم فسمانا باسم هو احسن منه فقال: یا معشر التجار! ان البیع یحضره اللغو و الحلف فشوبوه بالصدقة** (سنن ابوداؤد) **التاجر الصدوق الامین مع النبیین و الصدیقین و الشهداء** (سنن ترمذی) اہل بادیہ میں زاہر نامی ایک صحابی تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت

محبت کرتے تھے ایک مرتبہ وہ بازار میں اپنا سامان فروخت کر رہے تھے اسی موقع پر آپ کا ادھر سے گزر ہوا آپ نے پیچھے سے ان کی کمر پکڑ لی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھ سکے انہوں نے کہا کون ہے چھوڑ دو مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چھوڑنے پر انہوں نے آپ کو پہچان کر اپنی پشت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے سے اور قریب کر لی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس غلام کو کون خریدے گا انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول تب تو آپ کو میری قیمت بہت ہی کم ملے گی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لیکن اللہ کے نزدیک تمہاری حیثیت بہت زیادہ ہے(مسند احمد)

اسلام نے جہاں تجارت کو جائز و حلال اور سود کو حرام و ناجائز کہا ہے وہیں تجارت میں بھی ہر چیز کی اجازت نہیں دی ہے، چنانچہ اسلام نے تلقی ء جلب واحتکار وغیرہ سے منع فرمایا ہے۔

تلقئی جلب کی صورت یہ ہوتی تھی کہ کوئی تاجر دور دراز سے اپنا مال لے کر مارکیٹ میں فروخت کرنے کے لئے آئے اور یہاں کی مارکیٹ کی قیمتوں کا اسے علم نہ ہو اور کوئی مارکیٹ میں پہنچنے سے پہلے ہی اس سے کم قیمت پر وہ سامان خرید لے اور اپنی من مانی قیمت پر لا کر فروخت کرے، اس صورت میں سامان لے کر آنے والا تاجر مارکیٹ میں اشیاء کی قیمت نہ معلوم ہونے کے سبب ایک بڑے نفع سے محروم رہ جاتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا **نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن تلقی الجلب حتی یدخل بھا فی السوق** (نسائی)

اسی طرح غلہ و دیگر اشیاء کم قیمت پر خرید کر لیتے تھے اور جب بازار میں وہ شئی کمیاب ہو جاتی تو کئی گنا زائد قیمت پر فروخت کرتے تھے، ایسے لوگوں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے افلاس کی بددعا کی ہے **قال عمر رضی اللہ عنہ: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ یقول: من احتکر علی المسلمین طعامھم ضربہ اللہ بالافلاس و الجذام** (ابن ماجہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کردہ بازار کی یہ تفصیلات اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین ہم سے مطالبہ کرتے ہیں کہ تجارت کو بھی اپنی زندگیوں میں شامل کریں اور اس کے واسطے سے دنیا بھر میں ایک مقام حاصل کریں اور فرمان نبوی کے مطابق امانتدار تاجر بن کر آخرت میں انبیاء، شہداء اور صالحین کے رفیق بنیں۔

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی — عرب کی زمین جس نے ساری ہلادی
نئی اک لگن دل میں سب کے لگادی — اک آواز میں سوتی بستی جگادی
پڑا ہرطرف غل یہ پیغام حق سے — کہ گونج اٹھے دشت وجبل نام حق سے
سبق پھر شریعت کا ان کو پڑھایا — حقیقت کا گُر ان کو ایک ایک بتایا
زمانے کے بگڑے ہوؤں کو بنایا — بہت دن کے سوتے ہوؤں کو جگایا
کھلے تھے نہ جو راز اب تک جہاں پر — وہ دکھلادیئے ایک پردہ اٹھاکر

مسدس حالی صفحہ/۳۱

انسانی تاریخ کا ایک مثالی حکمراں

مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ

کوئی تراشا ہوا خیالی افسانہ نہیں؛ بلکہ معتبر راویوں کی مسلسل سند کے ساتھ مشاہدات اور تجربات کا جو مجموعہ ابن سعد کے طبقات میں پایا جاتا ہے، اسی کو ایک خاص ترتیب کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں، ہر ہر واقعہ کے لئے حوالے کی ضرورت اس لئے نہیں سمجھی گئی کہ یہاں جو کچھ بھی درج کیا جارہا ہے صرف ایک ہی کتاب سے ماخوذ ہے، دنیا کے تین (۱) مشہور دل کشا اور دل آویز سیر گاہوں میں وہ خود شہر اور اس کا مینو سواد علاقہ سمجھا جاتا ہے، جہاں کے حکمراں کی تاریخی داستان آپ کے سامنے ہم دہرانا چاہتے ہیں۔

جانشین کے انتخابات کے کاغذات مرتب ہو چکے ہیں، جس حکمراں کی جانشینی کا مسئلہ طے کیا گیا ہے، وہ اپنی آخری سانسیں پوری کررہا ہے، انتخاب کے وثائق ملک کے جس باوقار صاحب علم بزرگ کے سپرد کئے گئے ہیں، ان کو حکم ہے کہ جب تک موت اپنے فیصلہ کو قطعی شکل میں صادر نہ کرلے، اس وقت تک انتخاب کس کا ہوا؟ اس کو صیغۂ راز میں رکھا جائے، جس کا انتخاب کیا گیا ہے، اس کو خود اس کی خبر نہیں ہے، مسئلہ معمولی نہیں ہے، ایک بڑی حکومت کی حکمرانی اور فرماں روائی کا مسئلہ جس کی قلمرو کے حدود میں ایشیا اور افریقہ ان دونوں برّ اعظموں کے تقریباً اکثر اور بڑے آباد علاقے شریک ہو چکے ہیں اور جو شریک نہیں ہوئے، حالات ایسے سازگار ہیں کہ ان کی شرکت کی توقع بھی بعید از قیاس نہیں ہے؛ بلکہ یہ سمجھا جائے کہ جس زمانے کا یہ واقعہ ہے اس زمانے میں کرۂ زمین کی سب سے بڑی قاہرہ اور ہر لحاظ سے ممتاز ترین حکومت یہی تھی، تو یہ مبالغہ نہیں؛ بلکہ واقعہ کا اعتراف و اظہار ہوگا، بہر حال راز کے وثائق کے امین سے وہی جن کا اس حکومت کی فرماں روائی کے لئے انتخاب ہو چکا ہے، دیکھا گیا کہ وہی ان سے کہہ رہے ہیں،

’’اگر کچھ بھی میری محبت اور قدر و قیمت آپ کے دل میں ہے، تو خدارا مجھ کو آگاہ کیجئے کہ کہیں قرعہ فال میرے نام تو نہیں ڈالا گیا ہے، مجھے اس کا اندیشہ ہے کہ کہیں یہی نہ ہوا ہو، ابھی اس کا وقت باقی ہے کہ اس فیصلہ کو میں بدلوا سکتا ہوں، بات اگر ہاتھ سے نکل گئی، تو جو کچھ میں اس وقت کرسکتا ہوں، آئندہ وہ میرے بس کی بات نہ رہے گی‘‘

جو اس حکومت کی صدارت نہیں؛ بلکہ بادشاہی کے لئے چنا جا چکا ہے؛ مگر اپنے انتخاب کے اس واقعہ سے بے خبر ہے، گڑ گڑانے لگا، خود انہیں کا بیان ہے جن سے وہ کہہ رہا تھا کہ

’’دیکھئے! اس بڑے کام کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے قابل اپنے آپ کو نہیں پاتا‘‘

بار بار اسی فقرے کو وہ دہراتے جاتے تھے، ’’امانت میں خیانت ہوگی؛ اگر وقت سے پہلے میں تم کو آگاہ کردوں‘‘ یہی

جواب ان کو ملتا رہا، جب تقاضہ حد سے زیادہ گزر گیا، تب امین نے یہ جان کر کہا کہ یہی ایک ذریعہ ان کے خاموش کرنے کا ہوسکتا تھا، بولے،

''میں خوب سمجھتا ہوں، اپنے دل کی آرزو کو اس طریقہ سے تم میرے آگے پیش کر رہے ہو، چاہتے ہو کہ تمہارے لئے میں کوشش کروں، تم پر حکمرانی کے شوق کی حرص سوار ہے''

یہ ایسا سخت اور کارگر حملہ تھا کہ منہ لٹکا کر بے چارے چلے گئے، قدرت نے فیصلہ کردیا، ارباب بست وکشاد جمع ہوئے لفافہ کھولا گیا اور بادشاہی کے لئے جو چنا گیا تھا، اس کے نام کا اعلان کردیا گیا، جن کے سپرد یہ امانت ہوئی تھی ان کا بیان ہے،

میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اس شخص کے بازو کو پکڑا اور اٹھا کر بزور اس منبر پر جا کر بیٹھا دیا، جس پر انتخاب کے بعد کھڑے ہوکر حکمراں کو خطبہ دینا پڑتا ہے۔

وہی کہتے ہیں میں ان کو منبر کی طرف لئے چلا جارہا تھا اور ان کی زبان پر بے ساختہ انّا لله و انّا اليه راجعون جاری تھا اور یہ کہہ رہے تھے کہ میں جس چیز کو نہیں چاہتا تھا، وہی زبردستی میرے سامنے آئی، بادشاہی کا اعلان ہوگیا، تخت نشینی کہیے یا منبر نشینی کی تقریب ختم ہوگئی۔

گھوڑے ہیں، خچر ہیں، طرح طرح کی سواریاں قطار در قطار سامنے ہیں، ہر گھوڑے اور خچر کی لگام ایک سائیس کے ہاتھ میں ہے، ان ہی سواریوں میں مرحوم سابق حکمراں کا شاہی گھوڑا بھی اپنی کامل زیب وآرائش کے ساتھ سامنے لاکر کھڑا کیا گیا اور کہا گیا سوار ہوجائیے، انہوں نے گردن جھکائی، اور بغلۂ شہباء، اشہب رنگ کا خچر جس پر ہمیشہ سوار ہوتے تھے، حکم دیا کہ سب کو لے جاؤ اور اسی خچر کو میرے آگے لاؤ، چنانچہ وہ لایا گیا اور آپ سوار ہوکر چل پڑے، جلوس کی شاہانہ سواریاں واپس ہوگئیں، جارہے تھے، سامنے دارالخلافہ کا قصر رفیع تھا؛ مگر اپنے خچر کا سوار آگے بڑھا جارہا تھا، عرض کیا گیا کہ بادشاہ کا محل یہ ہے، فرمایا کہ اس میں مرحوم کے بچے اور اہل وعیال ابھی ہیں، میرے لئے تو میرا فسطاط (خیمہ) ہی کافی ہے، یہ فرماتے ہوئے حکم دیا گیا کہ مرحوم کے لوگوں کے لئے پہلے مکان کا نظم کرلیا جائے، تب حکومت کے کاموں کی نگرانی کے لئے میں اس میں آؤں گا، یہ بھی کیا گیا۔

شاہی توشک خانے سے غالیچوں، قالینوں، گدّوں، شطرنجیوں، مسند کا ایک انبار اسی پرانے گھر یا خیمہ میں بھیج دیا گیا، یہ کیا ہے؟ شاہی فراش خانہ کا سامان ہے جواب دیا گیا، سب کو واپس لے جاؤ، صرف آرمینیہ کا بنا ہوا ایک نمدہ اس سے نکال لیا گیا، زمین پر خود ہی اسے بچھا کر بیٹھ گئے'' حکومت کے کام کو اسی پر بیٹھ کر اگر انجام نہ دیتا، تو میں تجھ پر ہرگز نہ بیٹھتا'' یہ فقرہ آرمینیہ کے اسی نمدے کو خطاب کرکے کہا گیا۔

فرمان پر فرمان، حکم پر حکم جاری ہونے لگا، غیر قانونی ذریعہ سے جس کے پاس جو چیزیں بھی پہنچی ہیں، ایک ایک کرکے واپس کردی جائیں، خواہ وہ کوئی ہو اور خود فیصلہ کیا کہ سب سے پہلے اس کام کو چاہئے کہ میں خود اپنی ذات سے شروع کروں، کوڑی کوڑی کا حساب کیا گیا، قانون نے جس کی واپسی کا حکم دیا، وہ واپس کردی گئی، جن میں بعض غیر معمولی پتھر کے نگینے بھی تھے۔

ہر صوبے اور ہر صوبے کے ہر ضلع میں ردّ مظالم کا نظم کیا گیا، یعنی غیر قانونی ذرائع سے جس کے پاس جو کچھ ہے، اس کو

حقداروں تک پہنچایا جائے ،اس کا خاص رشتہ کھولا گیا،صوبے کے مقامی خزانے کی رقم اگر کافی نہیں ہوتی تھی ،تو مرکزی خزانے سے روپیہ بھیجا جاتا تھااور یوں حقداروں تک ان کے حقوق پہنچا دیئے گئے۔

طے کیا گیا کہ حکومت کی چیزوں کے استعمال کا حق صرف اسی وقت تک ہے، جب تک کہ حکومت کا کام انجام دیا جائے ،اس قسم کے عملی نمونوں کو پیش کر کر کے حکام اور عہدے داروں پر اپنا منشاء واضح کیا جاتا تھا،مثلاً حکومت کا کام رات کو جب کرتے تو حکومت کی شمع استعمال ہوتی؛ مگر اسی وقت کسی ذاتی ضرورت کے لئے کچھ لکھتے تو وہ ہٹادی جاتی اور ذاتی مملوکہ شمعدان کی روشنی سامنے لاکر رکھ دی جاتی۔

شاہی خزانے سے مشک کا ذخیرہ برآمد ہوا، دیکھا گیا کہ ناک کو انگلیوں سے بند کئے ہوئے ہیں، کہنے والے نے کہا اگر خوشبوناک میں آ گئی ،تو یہ مشک میں تو تصرف نہ ہوا فرمایا بجز خوشبو کے اور مشک میں ہوتا ہی کیا ہے۔

عوام کے لئے حکومت کی طرف سے سردیوں کے موسم میں گرم پانی کا انتظام غسل اور وضو کے لئے کیا جاتا تھا،ابتداء میں دو ایک مہینے تک وہی پانی آپ کے لئے استعمال میں بھی آیا، بعد کو معلوم ہوا کہ حکومت کے خرچ سے پانی گرم کیا جاتا ہے،تو حساب کر کے اتنی لکڑیاں حکومت کے ذخیرہ میں جمع کرادی گئیں۔

معذوروں، مسکینوں، مسافروں کے لئے شاہی مہمان خانے سے کھانا کھلانے کا نظم کیا گیا،اسی باورچی خانہ سے دہی کا ایک پیالہ آپ کی بیوی صاحبہ کے لئے لونڈی مانگ کر لئے جارہی تھی، پوچھا: کیا ہے؟ لونڈی نے عرض کیا کہ آپ جانتے ہیں کہ بیوی صاحبہ حاملہ ہیں، دہی کی خواہش ان کو ہوئی، وقت پر کہیں نہیں ملا، لونڈی نے یہ بھی کہا، مشہور ہے کہ حاملہ عورت کی خواہش اگر نہ پوری کی جائے تو کہا جاتا ہے کہ بچہ ساقط ہو جاتا ہے، اسی لئے مہمان خانے سے دہی مانگ کر لے جارہی ہوں،لونڈی کے ہاتھ سے پیالہ لے لیا گیا اور گھر پہنچ کر کڑکتے ہوئے کہہ رہے تھے ”اگر غرباء اور فقراء ہی کے کھانے سے بچہ پیٹ میں ٹھہر سکتا ہے تو خدا تیرے پیٹ کے بچہ کو گرادے“،

اور دہی کا پیالہ واپس کر دیا گیا،

اس معاملہ میں حکام کا شعور اس حد تک بیدار ہو چکا تھا کہ ایک بڑے محکمہ کے ذمہ دار افسر کا بیان ہے کہ حسب دستور میں کاغذ پیش کر رہا تھا،اب ایک بالشت تھا یا چار انگلی کے برابر سادہ کاغذ تھا، میں نے دیکھا کہ اس سادہ کاغذ کو اپنی ذاتی ضرورت میں انہوں نے استعمال کیا، چونکہ یہ پہلا واقعہ تھا، جو اس افسر کے سامنے گزرا تھا، دل میں خیال آیا آج غفلت کا شکار یہ شخص بھی ہوا؛ مگر دوسرے دن وہی کہتے ہیں کہ خلاف دستور کاغذات جو دیکھے ہوئے تھے، ان کے بستہ کو واپس منگایا، میں نے بھیج دیا ،واپسی کے بعد جب میں نے اپنے بستہ کو کھولا تو دیکھا کہ سادہ کاغذ کا ایک ٹکڑا جو اسی کاغذ کے برابر تھا، بستے میں دوسرے کاغذوں کے درمیان اسی میں لپٹا ہوا رکھا تھا،”غفلت کا شکار ہوا“ اپنے اس خیال میں ان کو ترمیم بھی کرنی پڑی اور حکمراں کی نظر ان معاملات میں کتنی کڑی اور سخت ہے،اس کا بھی تجربہ ہوا۔

خیر یہ تو ان کے ذاتی قصے ہیں، دیکھنے کی بات حکمرانی کے وہ خاص طریقے ہیں، جو انہوں نے اختیار کئے تھے، سب سے پہلی چیز تو وہی ہے کہ خود اپنے آپ کو انتخاب کے لئے پیش نہیں کیا؛ بلکہ آپ سن چکے ہیں کہ اس سلسلہ میں ان کی کوشش کی نوعیت اس طریقہ کار کے بالکل برعکس تھی، جسے آج انتخابی قصوں میں لوگ اختیار کر رہے ہیں، در مدح خود قصیدہ گفتن جس کا دوسرا ترجمہ مینی فیسٹو کیا جا سکتا ہے اور لوہے کا وزن نہ سہی؛ لیکن چاندی اور سونے کے دباؤ سے رائے عامہ کو دبانے اور ضمیر و احساس کے خلاف اپنے مطابق بنانے میں کرنے والے جو کچھ کر رہے ہیں، سب کے سامنے ہے آخر کیا فرق ہے چنگیز و تیمور کی آہنی تلوار اور انتخابی ارکان کے نقرئی وطلائی گرزوں میں یقیناً روح کے لحاظ سے دونوں کے جرم کی نوعیت ایک ہی ہے، صرف بیرونی قالب بدلا ہوا ہے۔

دوسری بات اس سلسلہ کی وہ ہے کہ عنان حکومت ہاتھ میں لینے کے ساتھ ہی انہوں نے ملک کی چند ایسی ممتاز اور نمایاں ہستیوں کا انتخاب کیا، جن کی سیرت وکردار کی استواری، علم وفہم کی گہرائی پر اس عہد کی عام مخلوق کامل اعتماد رکھتی تھی، یہ دس آدمیوں کی مجلس شوریٰ تھی، اراکین شوریٰ کو سامنے بٹھا کر حکمراں کی طرف سے یہ عہد نامہ پیش ہوا کہ

''میں آپ لوگوں میں سے ہر ایک کی یا جو مجلس شوریٰ میں حاضر رہیں گے ان کی رائے کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کروں گا''،

اور حکومت کے پورے دور میں اس عہد نامہ کی پابندی کی گئی،

ملک کافی وسیع تھا اور انتظام کے لئے جتنے آدمیوں کی بھی ضرورت ہوتی ہوگی، اس کا خود اندازہ کیا جا سکتا ہے، اس مجلس شوریٰ کے ایک رکن نے بڑی اچھی بات اس وقت کہی، جب بھروسے کے قابل کارآمد آدمیوں کے مہیا کرنے کا سوال انہوں نے پیش کیا، مجلس شوریٰ کے رکن نے کہا

''آپ اس کی زیادہ پرواہ نہ کریں، آپ کی حیثیت تو گویا بازار کی ہے، ہر بازار میں جس چیز کی طلب ہوتی ہے، رسد بھی اسی طلب کے موافق ہوتی ہے، آپ کی بازار میں جس چیز کی مانگ ہے، قدرۃً وہی آپ کے یہاں آئے گی''،

مگر اس بازار کے لوگوں کو جب مفصلات میں بھیجتے، تو وہاں کی عام پبلک کے نام حکمراں اپنا ایک خریطہ بھی بھیجتا تھا، جس میں لکھا ہوتا کہ

''میں جنہیں بھیج رہا ہوں یہ تو نہیں کہتا کہ وہ تم میں سب سے بہتر ہیں؛ مگر اتنی بات کہہ سکتا ہوں کہ تم میں جو برے لوگ ہیں، ان سے شاید یہ اچھے ہوں''

سب سے زیادہ توجہ اپنے ولاۃ اور حکام کو اس مسئلہ کی طرف دلاتے تھے کہ رعایا پر محصولوں کا جو بار ہے، حتی الوسع اس بار کو ممکنہ حد تک کم کرنے کی کوشش کی جائے محصولوں کی وہ قسم جسے اس زمانے میں کس اور آج کل ٹیکس کہتے ہیں، ان کا اور ان کی مختلف قسموں کا فرامین میں ذکر کر کے لکھا کرتے۔

یہ کس نہیں بلکہ بخس ہے، یہی وہ چیز ہے جس کے متعلق قرآن میں ولا تبخسوا الناس اشیائهم ولا تعثوا فی

الارض مفسدین ، (اور نہ کم کرو لوگوں کی چیزوں میں، اور بگاڑ پیدا کرنے والے ان مفسدین میں نہ بنو، جنہوں نے زمین میں سر اٹھا رکھا ہے)

ایک مرتبہ شکایت پیش ہوئی کہ محصولوں کی تخفیف کی وجہ سے آمدنی فلاں علاقہ کی بہت کم ہوگئی ہے، فرمان والی کے نام گیا ''میں نے ان محصولوں کو نہیں ساقط کیا؛ بلکہ خدا نے ساقط کیا''، دارالسلطنت میں خبر پہنچی کہ ایک علاقے میں حکام کا دستور ہے کہ پیداوار کی قیمت بازار کے مطابق نہیں؛ بلکہ منمانے طریقے سے لگا کر رعایا سے خراج وصول کرتے ہیں، اسی وقت حکومت نے اپنے دو معتبر نمائندے بھیجے، حکم دیا گیا کہ جس کسی سے جتنی مقدار زائد وصول کی گئی ہو، فوراً واپس کردی جائے، اور گورنر کے لئے حکم تھا، ان دونوں کے کام میں تمہاری طرف سے کسی قسم کی رکاوٹ اگر ڈالی گئی تو یاد رکھو تمہیں جو بات ناگوار ہوگی، اسے اپنے سامنے پاؤ گے۔

گھوڑوں پر ڈاک آتی تھی، راستے میں کسی مقام کی ڈاک کے گھوڑے بےکار ہوگئے، مقامی کسانوں کو بطور بیگار کے حکام نے پکڑا اور ان ہی پر ڈاک لاد کر دارالسلطنت روانہ کردی گئی، اطلاع ہوئی، لکھا ہے کہ بیگار لینے والے پر پہلے تو چالیس کوڑے لگائے گئے اور کہا کہ میری حکومت میں اور بےگار؟

شاہی خزانے کے تین شعبے کر دیئے گئے تھے، ایک شعبہ میں خراج اور مالگذاری کی عام آمدنی جمع ہوتی تھی، دوسرے میں فوجی فتوحات کی آمدنی کا پانچواں حصہ جسے خمس کہتے تھے، جمع ہوتا تھا اور تیسرا مستقل شعبہ ملک کے حاجتمندوں، غریبوں، یتیموں، تاوان زدہ افراد، مسافروں وغیرہ کے لئے مختص تھا، صدقات وزکوۃ کی آمدنی اسی شعبہ میں جمع ہوتی تھی، دیکھا گیا تھا دیکھنے والوں کا چشم دید بیان ہے، ایسا نظم قائم کردیا گیا کہ گذشتہ سال جو خود خیرات کا مستحق تھا، اس کے پاس اتنا سرمایہ اکٹھا ہوگیا ہے کہ خود صدقہ ادا کر رہا ہے۔

تجارت میں، زراعت میں یا کسی اور کاروبار میں جو نقصان اٹھاتے تھے یا مقروض ہوجاتے تھے، بیان کیا گیا ہے کے ملک کے دور دراز گوشوں سے اس قسم کے تاوان زدہ افراد آتے، ان کے واقعہ کی تحقیق کی جاتی، جب ثابت ہو جاتا کہ واقعی تاوان کے وہ شکار ہوئے ہیں، تو صدقات کے شعبہ سے اس کی تلافی کردی جاتی تھی، چار چار سو طلائی اشرفیاں بسا اوقات کسی ایک ایک آدمی کو اس سلسلہ میں ملتی تھیں، نہ صرف مرکزی خزانے سے یہ امداد لوگوں کو ملتی تھی؛ بلکہ ہر ہر علاقہ کے مقامی خزانوں میں یہ سلسلہ جاری رہتا تھا، عام فرمان تمام ملک میں گشت کرا دیا گیا تھا، جس شخص پر کوئی ایسا بار ہو جس کے ادا کرنے کی قدرت نہیں رکھتا، تو خزانے سے رقم اس کی طرف سے ادا کردی جائے۔

یہی نہیں بلکہ اسی فرمان میں یہاں تک لکھا پایا جاتا ہے کہ جو شادی کرے اور مہر ادا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا، اس کو بھی مہر ادا کرنے کے لئے خزانے سے رقم عطا کی جائے، سرکاری خزانے کی ان مدوں سے استفادہ کے لئے صرف یہ شرط تھی کہ وہ ملک کا باشندہ اور قانونی رعیت ہو، کسی نسل سے ہو، کسی فرقہ کا ہو، کسی قسم کا مذہب رکھتا ہو، ہر ایک کے لئے دروازہ کھلا ہوا تھا، لکھا ہے کہ

ایک ایک بطریق (عیسائی پادری) کو ہزار ہزار طلائی اشرفیاں دی گئیں،

کم سے کم رعایا سے لیا جائے اور زیادہ سے زیادہ مقدار میں ان ہی سے لئے ہوئے مال کو انہیں تک ایک خاص نظم کے تحت واپس کر دیا جائے، یہی ایک ''معاشی اصول'' جس پر یہ مثالی حکومت کارفرما نظر آتی ہے، اس سلسلے کی تفصیلات اگر تلاش کی جائیں، تو ان سے کافی مجلد ضخیم کتاب تیار ہوسکتی ہے؛ مگر امکان اس کا سچ پوچھئے تو اسی ابتدائی قاعدے سے پیدا ہوا تھا، جس کا ذکر میں نے شروع ہی میں کیا تھا، یعنی حکومت کی آمدنی حکومت کی یا جن لوگوں کی حکومت تھی ان کی آمدنی سمجھی جاتی تھی، نہ کہ ان لوگوں کی جن کے سپرد حکومت کی باگ کردی جاتی ہے۔

اسی مثالی حکمراں کے متعلق لکھا ہے کہ امیر خاندان میں پیدا ہوئے تھے، والد ان کے ملک مصر کے گورنر تھے، انتخاب سے پہلے ان کی زندگی امیرانہ تھی، ایک ایک قمیص کا کپڑا چار چار درم کا استعمال کرتے تھے، کھانے، پینے رہنے سہنے، الغرض زندگی کے تمام شعبوں میں ان ہی امیرانہ عادتوں کے عادی تھے۔

لیکن حکومت کی ذمہ داری جب سر پر آ گئی، تو اسی شخص کے اس لباس کا جسے جمعہ کے دن پہن کر منبر پر آئے تھے، جب حساب کیا گیا تو بارہ درم (ڈھائی روپے) سے زیادہ پورے لباس کی قیمت نہ ٹھہری، لکھا ہے اس لباس میں عمامہ بھی تھا اور قمیص بھی، قبا بھی، قرطق (کرتا) بھی، موزے بھی اور چادر بھی۔

عمدہ کھانے کے عادی تھے؛ مگر حکومت کے بعد اس کا میسر ہونا دشوار ہو گیا، چنے اور مسور کی دال ہی پر کبھی قناعت کرنی پڑتی، پیٹ پھول جاتا، نفخ کی شکایت پیدا ہو جاتی؛ مگر صرف یہ فرما کر کہ

''اے پیٹ یہ تیرے گناہوں کا جنازہ ہے''،

خاموش ہو جاتے، ان کا غلام جنگلوں میں لکڑیاں اور مینگنیاں تلاش کرتا پھرتا؛ کیوں کہ بازار سے ایندھن خریدنے کی قیمت کبھی نہیں ہوتی، ایک دن اسی غلام نے جو اپنے وقت کی سب سے بڑی اقتداری طاقت کا غلام تھا، ایک دن عرض کیا

''آج ساری دنیا اچھے حال میں ہے بجز آپ کے اور میرے''،

اور یہی روح ہے مثالی حکومت کی، جس میں حکومت کی آخری اقتداری طاقت حکومتی آمدنی سے استفادے میں سب سے آخری ہستی سمجھی جاتی ہے۔

یہ سیدنا عمر بن عبد العزیزؒ ہیں، جن کی حکمرانی کا زمانہ خواہ جتنا بھی مختصر ہو؛ لیکن صدیوں قائم رہنے والی حکومتوں کے لئے ان کی ''مثالی حکومت'' پہلے بھی قابل رشک تھی، اور جب تک الدین یا انسان کی قانونی زندگی پر پولس وفوج کی نگرانی کے ساتھ اللہ کی نگرانی کا یقین مسلط نہ رہے گا، ان کی یہ مثالی حکومت آئندہ بھی قابل رشک رہے گی؛ کیوں کہ جب تک الدین للہ کے اصول کو مان کر خواص وعوام کو اس راہ پر نہیں لائیں گے، فتنہ کا ازالہ نہیں ہوسکتا۔

گاندھی جی نے بھی حضرت ابو بکرؓ وحضرت عمرؓ کی حکومتوں کو مثالی حکومت قرار دے کر مطالبہ کیا تھا کہ اسی کو چاہئے کہ نمونہ بنایا جائے، میرے خیال میں اسی کے ساتھ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے نام کا بھی اضافہ ہونا چاہئے۔

مسلمانانِ ہند آزادی سے پہلے اور آزادی کے بعد

محمد سعید اللہ قاسمی مہراج گنجی
مدیر: ماہنامہ المناظر

مسلمانوں کی آمد سے قبل سرزمینِ ہند پر رجواڑوں کی شکل میں مختلف حکومتیں قائم تھیں، جو نہ صرف آپس میں بر سر پیکار رہتی تھیں، بلکہ ان حکومتوں میں کمزور اور پسماندہ طبقات پر ظلم وستم بھی عروج پر تھا۔ اس ظلم میں نہ صرف اربابِ اقتدار پوری طرح شامل تھے، بلکہ مذہبی ٹھیکیدار بھی پیش پیش تھے۔ منووادی نظام کے تحت اس ظلم کو پائیدار بنانے کے لئے سماج کو مختلف طبقات میں تقسیم کر کے ظالمانہ طریقے پر ان کی ذمہ داریاں بھی تقسیم کردی گئی تھیں۔ اپنے ہی ہم مذہب انسانوں کے ایک طبقے کو شودر بنا کر گوناگوں ظلم واستحصال کا ایک ایسا نظام جاری تھا، جس کی پوری تاریخ انسانی میں کوئی نظیر نہیں ملتی۔ ایسے ہی تاریک دور میں مسلمانوں نے ہندوستان کی سرزمین پر قدم رکھا، اور اپنے اعلی اخلاقی اوصاف سے یہاں کے دبے کچلے مظلوم باشندوں کے دل جیت لئے۔ انہوں نے "الخلق عیال اللہ" کے تحت طبقاتی کشمکش کو ختم کر کے عملی طور پر مساوات قائم کیا، اونچ نیچ کے فرق کو مٹایا، عدل وانصاف کا ایک مستحکم نظام قائم کیا، یہاں کے مختلف رجواڑوں کو ختم کر کے اکھنڈ بھارت کی عملی تصویر دنیا کے سامنے پیش کی، اور باشندگانِ ہند کے معیارِ زندگی کو بہتر بنانے کے لئے اس قدر جدوجہد کی کہ اس ملک کو سونے کی چڑیا بنادیا۔ اور اپنی ہزار سالہ تاریخِ حکمرانی میں نہ صرف تاج محل، قطب مینار، لال قلعہ اور جامع مسجد جیسی عالمی شہرت کی حامل عمارتیں ورثے میں چھوڑیں، بلکہ تاریخی، علمی، فکری اور تہذیبی وثقافتی سطح پر ہندوستان کو وہ گراں مایہ دولت عطا کی، جس کا مکمل احاطہ کرنے سے تاریخ کے اوراق قاصر ہیں۔

پھر وطن عزیز کی تاریخ میں وہ وقت بھی آیا، جب اس کی مقدس سرزمین پر انگریزوں کے ناپاک قدم آئے، سورت کی بندرگاہ پر وہ اترے، اور یہاں کی دولت وثروت اور خوش حالی دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئے، سونے کی اس چڑیا کو دیکھ کر ان کی نگاہیں خیرہ ہونے لگیں۔ چنانچہ انہوں نے سورت میں تجارتی کوٹھیاں قائم کیں، اور دن بدن اپنی تجارت کو پروان چڑھاتے رہے، جہاں گیر کے دربار میں انہوں نے تجارتی مراعات کی درخواست بھی پیش کی، اس وقت کسی کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی، کہ یہ انگریز جو آج جہاں گیر کے دربار میں کھڑے ہوکر عاجزانہ طریقے پر تجارتی مراعات کی بھیک مانگ

رہے ہیں، کل کو ان کی اولاد اسی جہاں گیر کے اخلاف کو قید وقتل کر کے اس کے تخت وتاج پر قبضہ کر لے گی۔

وقت اپنی رفتار کے ساتھ چلتا رہا، جب تک اقتدار پر مغلیہ فرمارواؤں کی گرفت مظبوط رہی، انگریزوں کی دال نہ گلی۔لیکن ۱۷۰۷ء میں اورنگزیب عالمگیر علیہ الرحمہ کے انتقال کے بعد جب آپسی رسہ کشی اور خانہ جنگی کی وجہ سے مرکزی حکومت کمزور ہونے لگی، تو انگریزوں کو کھل کر کھیل کھیلنے کا موقع مل گیا۔انہوں نے اپنی فطری عیاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے بال و پر نکالنے شروع کر دیئے، مدراس اور کلکتہ وغیرہ میں موجود اپنی تجارتی کوٹھیوں کو قلعے میں تبدیل کرلیا، اور امراء کی باہمی چپقلش سے فائدہ اٹھا کر حکومت میں دخیل ہونے لگے۔سب سے پہلے ان کی سازشوں کو نواب علی وردی خان نواب بنگال نے محسوس کیا، اور ۱۷۵۴ء میں باظابطہ فوج کشی کر کے انہیں شکستِ فاش دی، اور فورٹ ولیم پر قبضہ کر کے وہاں سے مار بھگایا۔انگریز اپنے دوسرے بڑے مرکز ڈائمنڈ ہار پر میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے، لیکن اس سے قبل کہ نواب کلی طور پر ان کا قلع قمع کرتا، پیغامِ اجل آپہنچا۔مگر اس دنیا سے جانے سے پہلے پہلے اس نے اپنے نواسے اور جانشین نواب سراج الدولہ کو اس فتنے کو بیخ وبن سے اکھاڑ پھیکنے کی وصیت کر دی، چنانچہ نواب سراج الدولہ نے مسندِ اقتدار پر فائز ہونے کے بعد سب سے پہلے اسی چیز کی طرف توجہ مرکوز کی، اور نانا کی وصیت کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ۱۷۵۷ء میں میدان میں آئے۔ پلاسی کے میدان میں نواب کی افواج اور انگریزوں کے درمیان گھمسان کی جنگ ہوئی، اور قریب تھا کہ انگریز شکست کھا کر میدان چھوڑ دیتے، کہ پہلے سے طے شدہ پلان کے تحت نواب کے کمانڈر انچیف میر جعفر نے غداری کر دی۔نواب سراج الدولہ کو اپنی عددی برتری اور اسباب و وسائل میں تفوق کے باوجود شکست ہوئی، اور پھر وطن عزیز سے وفاداری کے جرم میں جامِ شہادت نوش کرنا پڑا۔

اس کے بعد نواب بنگال، نواب اودھ، اور بادشاہ شاہ عالم کی متحدہ افواج ۱۷۶۲ء میں انگریزوں سے مقابلے کے لئے بکسر کے میدان میں جمع ہوئیں، مگر یہاں بھی انگریز اپنی قلتِ تعداد کے باوجود اپنے نظم وضبط کی وجہ سے ان متحدہ افواج پر بھاری رہے، اور انہیں ہزیمت سے دوچار کر کے بنگال، بہار اور اڑیسہ پر پوری طرح قابض ہو گئے۔

پھر ۱۷۶۵ء کے بعد جنوبئ ہند سے دو طاقتور شخصیتیں نواب حیدر علی اور ٹیپو سلطان کی شکل میں اٹھیں، انہوں نے سب سے پہلے یہ نعرہ دیا کہ،، ہندوستان ہندوستانیوں کا ہے،، اور انگریزوں کو وطن عزیز سے نکالنے کا عزم کرلیا، انگریزوں سے لگاتار کئی جنگیں لڑیں، اور انہیں شکست سے دوچار کیا۔ایک وقت وہ بھی آیا جب ان باپ بیٹوں کے فوجی دباؤ سے مجبور ہو کر انگریز مدراس کے اپنے آخری قلعے میں محصور ہونے پر مجبور ہو گئے، اور قریب تھا کہ ہندوستان اسی وقت ان کے ناپاک وجود سے ہمیشہ کے لئے پاک ہو جاتا، مگر صلح کی ان کی عاجزانہ درخواست کو نواب حیدر علی نے اپنی رحم دل طبیعت کی وجہ سے قبول کرلیا، اور یہ جاتے جاتے رہ گئے۔۱۷۸۲ء میں نواب حیدر علی کے انتقال کے بعد ٹیپو سلطان کے زمانۂ اقتدار میں ایک بار پھر انہوں نے اپنے بال و پر نکالنے شروع کیئے، سلطان نے ۱۷۸۲-۱۷۸۳ء میں بروقت ان پر تادیبی کارروائی کر کے ان کو شکست فاش دی۔ جب انگریزوں کو یقین ہو گیا کہ ہم تنہا سلطان کا مقابلہ نہیں کر سکتے، تو انہوں نے اپنی تمام تر عیاری کو بروئے کار لاتے

ہوئے جنوب ء ہند میں موجود اس وقت کی دو بڑی طاقتوں: نظام اور مرہٹہ کو اپنے ساتھ ملا لیا، اور اس طرح یہ متحدہ افواج سلطان کے مقابلے میں آئیں۔ سلطان نے ہر ممکن کوشش کی کہ نظام اور مرہٹے انگریزوں سے الگ ہو جائیں مگر بدقسمتی سے ایسا نہیں ہوسکا، ۱۷۹۲ء کی اس جنگ میں اپنے بعض امراء اور فوجی افسران کی غداری کی وجہ سے سلطان انگریزوں سے معاہدہ کرنے پر مجبور ہو گئے، اور بطورِ تاوان تین کروڑ روپئے اور نصف علاقہ دینے کے ساتھ ساتھ انہیں اپنے دو شہزادوں کو یرغمال بھی رکھنا پڑا۔ سلطان اور انگریزوں کے درمیان تیسری بڑی اور آخری جنگ ۱۷۹۹ء میں ہوئی، اس جنگ میں انگریزوں نے حسبِ سابق نظام اور مرہٹہ کے ساتھ مل کر سلطان کے دارالحکومت سرنگا پٹنم کا محاصرہ کر لیا، مگر اب بھی ان کو اپنی کامیابی کا صد فیصد یقین نہیں تھا، چنانچہ اپنی فتح کو یقینی بنانے کے لئے ٹیپو کے امراء میں ایک بار پھر غدار پیدا کر لئے، کمانڈر انچیف کو توڑ لیا، وزیر اعظم پورنیا سمیت متعدد امراء اور ارکین دولت کو اپنا ہمنوا بنانے کے بعد یہ فوجیں آگے بڑھیں، اور قلعے پر یلغار کر دیا، سلطان نے حتی المقدور مدافعت کی کوششیں کیں، مگر اپنوں کی غداری کی وجہ سے ہندوستان کا یہ شیرِ دل فرزند اپنی کوششوں میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ اور جب اس سے یہ کہا گیا کہ آپ یا تو انگریزوں سے صلح کر لیں یا میدان چھوڑ دیں، تو اس نے یہ تاریخی جملہ کہتے ہوئے کہ،، شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سوسالہ زندگی سے بہتر ہے،، شہادت کو گلے لگا لیا۔ جب متحدہ افواج کے کمانڈر انچیف جنرل ہارس کو سلطان کی شہادت کی خبر ملی، تو بھاگا بھاگا آیا، اور سلطان کی لاش دیکھتے ہوئے فرطِ مسرت سے چیخ اٹھا کہ،، آج سے ہندوستان ہمارا ہے،، کیونکہ اب وہ سنگِ گراں ہٹ چکا تھا جو اس کے توسیعی عزائم کی راہ میں حائل تھا۔ حقیقت یہی تھی کہ اگر ٹیپو سلطان اپنوں کی سازش کا شکار نہ ہوتے تو ہندوستان کی قسمت کا ستارہ کب کا چمک چکا ہوتا۔

پھر ۱۸۰۳ء میں جب انگریز کی طرف سے یہ اعلان ہوا کہ خلق خدا کی، ملک بادشاہِ سلامت کا، اور حکم کمپنی بہادر کا، تو نازشِ ہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا تاریخی فتوی دیا۔ اس فتوے کے نتیجے میں سرفروشانِ وطن میں آزادیء وطن کا ایک طوفانِ بلاخیز پیدا ہو گیا، سید احمد شہید، شاہ اسماعیل شہید اور ان کے رفقاء کی شکل میں قافلۂ حریت کی وہ مقدس جماعت وجود میں آئی، جس کی نظیر آخری صدیوں میں نہیں ملتی۔ اس قافلے کا مطمحِ نظر ہندوستان سے برطانوی سامراج کا خاتمہ تھا، چنانچہ اس نیک مقصد کی خاطر ہجرت کر کے انہوں نے آزاد قبائل کا رخ کیا۔ کہ وہ فاتحین کی گذرگاہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک محفوظ مرکز بھی تھا، افراد کی دستیابی آسان تھی، اور سب سے بڑی بات یہ کہ پشت پر اسلامی مملکتوں کی ایک زنجیر تھی۔ مقصد تو انگریزوں سے نبرد آزمائی تھی مگر بدقسمتی سے پنجاب میں مہاراجہ رنجیت سنگھ اور اس کے کارندوں کا ظلم بطور خاص مسلمانوں پر اپنی تمام حدوں کو پار کر چکا تھا، اور افہام وتفہیم کی تمام تر کوششیں رائیگاں ثابت ہو رہی تھیں۔ چنانچہ سید احمد شہید اور ان کے رفقاء نے سب سے پہلے اس فتنے کا قلع قمع کرنا چاہا، کئی جنگوں میں انہیں شکست سے دوچار کیا۔ ادھر انگریز بھی اس جماعت کی بڑھتی ہوئی طاقت اور اس کے مقاصد سے غافل نہیں تھے، چنانچہ انہوں نے ایک طرف غلط پروپیگنڈوں کے ذریعے آزاد قبائل کو ان مجاہدین سے برگشتہ کیا، تو دوسری طرف سکھوں کے ساتھ مل کر متحدہ جنگی

حکمت عملی تیار کی، اور پھر ۱۸۳۱ء کی وہ منحوس ساعت آئی جب بالاکوٹ کی پہاڑیوں پر ایک غدار کی مخبری کی بنا پر اس جماعت کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا، مجاہدین نے جم کر مقابلہ کیا، لیکن انہیں شکست ہوئی، سید احمد شہید، مولانا اسماعیل شہید سمیت اکثر مجاہدین شہید کر دیئے گئے۔ اس جماعت کے بچے کھچے لوگ اپنے مقصد کی تکمیل کی خاطر ایک لمبے زمانے تک جد وجہد کرتے رہے، اور ہر طرح کی قربانیاں دے کر سرفروشی کی تاریخ میں ایک زریں باب کا اضافہ کیا۔ اس کے بعد ۱۸۵۷ء کا وہ خونی معرکہ پیش آیا، جس کے ذکر سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، آخری مغل فرماں روا بہادر شاہ ظفر کی قیادت میں لڑی جانے والی یہ جنگ نہایت قیامت خیز تھی، جنرل بخت خان کے زیر کمانڈ مجاہدین نے اپنے تمام تر وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنی تمام تر کوششیں صرف کر دیں کہ غلامی کی زنجیروں کو کاٹ کر سرزمینِ ہند کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے انگریز کے فتنے سے پاک کر لیا جائے۔ چنانچہ دہلی سمیت متعدد مقامات پر ہنگامۂ کارزار گرم ہوا۔ تھانہ بھون میں حاجی امداداللہ مہاجر مکی، مولانا محمد قاسم نانوتوی اور ان کے رفقاء سینہ سپر تھے، تو ہردوئی، شاہجہاں پور اور لکھنو وغیرہ میں شہزادہ فیروز شاہ، مولانا احمداللہ شاہ مدراسی، اور بیگم حضرت محل وغیرہ، اسی طرح دوسری جگہوں پر دوسرے مجاہدین برسرپیکار۔ لیکن قدرت کو ابھی ہندوستان کی آزادی منظور نہیں تھی، چنانچہ یہ جنگ آزادی بھی ناکام ہوئی، انگریز غالب آیا، اور ظلم وستم کا وہ سیاہ باب رقم کیا جس کے سامنے چنگیز و ہلاکو کی داستانِ ظلم بھی پھیکی پڑ گئی۔ صرف تین دن میں چودہ ہزار علماء کو شہید کر دیا گیا، چاندنی چوک سے لے کر خیبر تک کوئی درخت ایسا نہیں تھا، جس پر علماء کی لاشیں نہ لٹک رہی ہوں، بادشاہی مسجد لاہور میں ایک ایک دن میں چالیس چالیس علماء کو پھانسیاں دی گئیں، انہیں توپ کے دہانے سے باندھ کر توپ چلا دیا جاتا، جس سے ان کے جسم کے پرخچے اڑ جاتے تھے، انہیں زندہ آگ میں جلایا گیا، ہزاروں کو کالے پانی کی سزا سنائی گئی، بے شمار لوگوں کو نذرِ زنداں کیا گیا، ان کے املاک کو ضبط کر لیا گیا۔ الغرض ظلم وستم کا ایک سیاہ دور جاری تھا، خود قائدِ حریت بہادر شاہ ظفر کو ہمایوں کے مقبرے سے گرفتار کر کے لال قلعہ میں نظر بند کر دیا گیا، ان کے تین جوان بیٹوں کو جنرل ہڈسن نے گرفتار کرنے کے بعد خونی دروازے پر شہید کیا، ان کی نعشوں کو وہاں لٹکایا، اور سر کاٹ کر ایک طشتری میں رکھ کر بوڑھے بادشاہ کے سامنے پیش کرتے ہوئے کہا کہ یہ تحفہ قبول کیجئے، بادشاہ نے کپڑا ہٹایا تو سامنے بیٹوں کے کٹے ہوئے سر تھے۔ مگر آفریں ہے بہادر شاہ ظفر پر، کہ انہوں نے آنسو بہانے کے بجائے فخریہ طور پر کہا، ,,الحمدللہ تیمور کی اولاد ایسے ہی سرخرو ہوا کرتی ہے،،۔ پھر ۱۸۵۸ء میں خاندانِ مغلیہ کے اس آخری تاجدار کو جلاوطن کر کے رنگون بھیج دیا گیا، جہاں ۱۸۶۲ء میں انہوں نے جان جانِ آفریں کے سپرد کی۔

اس کے بعد ۱۸۶۶ء میں دارالعلوم دیوبند کی بنیاد پڑتی ہے، کیا یہ فقط درس وتدریس اور تعلیم وتعلم کا ایک مرکز تھا؟ جی نہیں بلکہ اسے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ناکامی کی تلافی کے لئے قائم کیا گیا تھا۔ چنانچہ اس کے سب سے پہلے طالب علم شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دارالعلوم دیوبند کی بنیاد میرے سامنے پڑی، اس کا مقصد یہ تھا کہ ۱۸۵۷ء میں ناکامی کے نتیجے میں مجاہدین کی جو جماعت ختم ہوگئی ہے، اور آزادی کا ولولہ سرد پڑ چکا ہے اس کو دوبارہ زندہ کیا

جاسکے، اور مجاہدین کی نئی نسل تیار کی جاسکے۔ چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ دارالعلوم کے فرزندوں نے تحریک آزادی میں قائدانہ کردارادا کیا، اوراس وقت تک کرتے رہے جب تک انگریز یہاں سے اپنا بوریا بستر سمیٹ کر واپس انگلستان نہیں چلا گیا۔ یہیں سے وہ مشہور زمانہ تحریک ریشمی رومال چلی، جس کے ڈانڈے ایک طرف اندرونِ ملک ہوتے ہوئے آزاد قبائل اورافغانستان کی اسلامی حکومت سے ملتے تھے، وہیں دوسری طرف خلافتِ عثمانیہ ترکی سے بھی اس کا گہرا تعلق تھا۔ اور پلان یہ تھا کہ ایک مقررہ تاریخ پر اندرونِ ملک بغاوت برپا کر کے باہر سے ترک، افغان اور آزاد قبائل کی متحدہ افواج کے ذریعے حملہ کردیا جائے، نتیجۃً انگریز چکی کے دو پاٹوں میں پس کر رہ جائے گا، اور وطنِ عزیز بہت آسانی سے آزاد ہوجائے گا، مگر شاید قسمت کو ابھی بھی ہندوستان کی آزادی منظور نہیں تھی۔ چنانچہ عین وقت پر ایک غدار رب نواز خان کی مخبری کی وجہ سے راز فاش ہوگیا، اور پکڑ دھکڑ شروع ہوگئی، خود شیخ الہند اوران کے رفقاء کو مکہ المکرّمہ سے گرفتار کر کے مالٹا پہونچادیا گیا۔

۱۳؍اپریل ۱۹۱۹ء کو جلیان والا باغ کا عظیم سانحہ پیش آیا، اس میں شہید ہونے والوں میں برادران وطن کیساتھ ساتھ مسلمانوں کی بھی ایک بڑی تعداد تھی، جو جنرل ڈائر کی گولیوں کا نشانہ بن کر ملک کی خاطر شہید ہوئی۔ اس کے بعد ۵؍جولائی ۱۹۱۹ء میں تحریکِ خلافت چلی، اس تحریک نے سوئے ہوئے جذبات جگادیئے، اور افسردہ دلوں کے اندر آزادی کا شعلہ جوّالہ پیدا کردیا، قائدینِ خلافت بالخصوص جوہر برادران نے اس سلسلے میں پورے ملک کا دورہ کیا، اور ہندوستانیوں کے دلوں سے احساسِ مرعوبیت کو ختم کر کے وہ جرات وہمت پیدا کی جس سے وہ انگریزوں سے اپنے جائز مطالبات منواسکیں۔ پھر خلافت وفد کی انگلستان سے ناکام واپسی اور معاہدۂ سیورے کی ذلت آمیز شرائط کے خلاف تحریکِ خلافت کے رہنماؤں نے تحریکِ ترکِ موالات کا فیصلہ کیا۔ اور ہندومسلم اتحاد کے پیش نظر حضرت شیخ الہند کے اشارے پر گاندھی جی کو رہنما بنا کر آگے بڑھایا، تاکہ برادرانِ وطن کو، جواب تک تحریکِ آزادی میں بہت پیچھے تھے، وہ بھی شانہ بہ شانہ چل کر وطن عزیز کو برطانوی استعمار سے آزاد کرانے میں اپنا رول ادا کریں، چنانچہ مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے خلافت فنڈ سے گاندھی جی کو پورے ملک کا دورہ کرایا، اور ہندومسلم اتحاد کا چہرہ بنا کر ملک کے سامنے پیش کیا۔

اب آزادی کی یہ تحریک تدریجًا اپنے آخری مرحلے میں داخل ہوچکی تھی، مسلمانوں سمیت باشندگان ہند کا جذبۂ آزادی اپنے شباب پر تھا، وہ پھانسی کے پھندوں سمیت قید وبند کی تمام تر صعوبتیں برداشت کرنے کے لئے ذہنی طور پر اب بھی تیار تھے۔ اسی ماحول میں ۸؍اگست ۱۹۴۲ء کو انڈین نیشنل کانگریس اوراس کے قائد گاندھی جی نے ،، ہندوستان چھوڑو،، کا وہ نعرہ دیا جو مسلمان اس سے بہت پہلے دے چکے تھے۔ کانگریس کی یہ تحریک گرچہ بوجوہ ایک ناکام تحریک ثابت ہوئی، لیکن اس میں بھی قوم پرور مسلمانوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ الغرض آزادی کے ابتدائی سو سال تک تنِ تنہا صرف مسلمان برطانوی سامراج سے ٹکرا کر ہر طرح کی قربانی دیتے رہے، پھر برادران وطن ساتھ آئے، مگر ۱۹۲۰ء تک ان کا کوئی قابل ذکر مرکزی کردار سامنے نہیں آتا۔ پھر ۱۹۲۰ء کے بعد آزادی کے تیسرے اور آخری دور میں پورے جوش وخروش سے انہوں نے بھی حصہ لیا، مگر مسلمان

اب بھی کسی سے پیچھے نہیں تھا،اس کی متعدد جماعتیں اور تنظیمیں: مثلاً جمعیۃ علماء ہند، جماعت احرار، اور سرحدی گاندھی خان عبد الغفار خان کی خدائی خدمت گار وغیرہ سرگرم عمل تھیں، ان کے قائدین اور کارکنان قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہے تھے، اور حصولِ آزادی تک کرتے رہے۔ پھر چاہے سبھاش چندر بوس کی آزاد ہند فوج میں جنرل محمد زماں کیانی، جنرل شاہ نواز خان اور کرنل حبیب الرحمٰن خان کا کردار ہو یا ۱۹۴۶ء میں ممبئی اور کراچی کے بحری بیڑوں کی بغاوت میں کرنل محمد خان کا رول، جنگ آزادی کی تقریباً دو سو سالہ تاریخ میں مسلمانوں نے کبھی بھی انگریز سے سمجھوتہ نہیں کیا، بلکہ ہر موڑ اور ہر منزل پر اس کے توسیعی عزائم میں حائل رہے، اور اس کے ناپاک چنگل سے وطن عزیز کو آزاد کرانے کے لئے ہر طرح کوشاں، اور ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار،۔ بقول مؤرخ میورا وَ گپت پوری جنگ آزادی میں پانچ لاکھ مسلمانوں نے جامِ شہادت نوش کیا۔

الغرض ہر طرح کی قربانی دے کر ہم نے اس ملک کو آزاد کرایا، لیکن شومئی قسمت کہ جب آزادی کا وقت قریب آیا تو وہ قومیں جو ہزاروں سال سے باہم شیر وشکر تھیں، ایک سازش کے تحت انہیں آپس میں ٹکرا دیا گیا، اور فسادات کی اس آگ کو اتنا بھڑکایا گیا کہ بظاہر یہ محسوس ہونے لگا کہ اب اس ملک میں ہندو مسلمان ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔ پھر تقسیم کا فارمولا سامنے رکھا گیا، یہاں ہزار سالہ باہمی پیار ومحبت کی تاریخ ہار گئی، اور مفاد پرستی غالب آ گئی، اور ملک دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ بظاہر یہ ملک کی تقسیم تھی، لیکن درحقیقت یہ ہندوستان کے مسلمانوں کی تقسیم تھی (جیسا کہ آگے چل کر تقسیمِ پاکستان سے اس مفروضے کو اور تقویت ملی) تاکہ سیاسی طور پر برّصغیر میں مسلمانوں کو بے وزن کر دیا جائے۔ تقسیمِ وطن کے مذکورہ فارمولے پر گرچہ زعمائے ہند نے اپنی دستخطوں سے مہر تصدیق ثبت کر دیا تھا، تاہم مسلمانوں کی ایک بڑی اکثریت نے مذہب کے نام پر بنائے گئے اس الگ ملک کو قبول نہیں کیا، اور ہندوستان ہی میں رہنے کو ترجیح دی، ہندوستانی آئین نے بھی ان کے حقوق کی مکمل ضمانت دی، انہیں مساوات کا حق دیا، اور پھلنے پھولنے اور ترقی کرنے کا یکساں موقع فراہم کیا۔ لیکن المیہ یہ ہے کہ ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر اور ان کی ٹیم کا تیار کردہ آئین (جس کے بنانے میں ہمارے اکابر بھی شریک تھے) نے ہمیں جو حقوق عطا کئے تھے، آزادی کے بعد سے ہی اس کی پامالی لگاتار جاری ہے۔ سب سے پہلے اردو کو مسلمانوں کی زبان قرار دے کر اس پر شب خون مارا گیا، اور اسے دیش نکالا دیا گیا، حالانکہ اردو خالصتاً ہندوستانی زبان تھی، جو یہیں پیدا ہوئی، یہیں پلی بڑھی اور پروان چڑھی، اور آزادیٔ وطن میں قائدانہ کردار ادا کیا، لیکن فرقہ پرست ذہنیت کو مسلمانوں سے اس کی قربت برداشت نہیں ہوئی، اور اس کو مٹانے کی ہر ممکن سعی کی گئی۔ پھر ۱۹۵۰ء میں ایک صدارتی آرڈیننس کے ذریعے دلت مسلمانوں کو ریزرویشن سے یکلخت محروم کر دیا گیا۔ ایک پلاننگ کے تحت فوج، پولیس، عدلیہ، مقنّنہ اور دوسرے سرکاری اداروں سے ریٹائر ہونے والے مسلم اہلکاروں کی جگہ مسلم نوجوانوں کو خدمت کا موقع فراہم نہیں کیا گیا، جس سے حکومتی اداروں میں ان کا تناسب آٹے میں نمک کے برابر ہو گیا۔ بابری مسجد میں مورتی رکھ کر پہلے اسے مقفل کیا گیا، پھر ۱۹۹۲ء میں فرقہ پرست طاقتوں نے آئین وقانون کا سرِ عام مذاق اڑاتے ہوئے دن کے اجالے میں اسے شہید کر کے یہاں کے مسلمانوں کو واضح طور پر یہ پیغام دے دیا، کہ ہم جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ آزادی کے

بعد سے فسادات کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری ہے، ہندوستان کے جس حصے میں بھی مسلمان معاشی و اقتصادی طور پر اُبھرے، منظّم طریقے پر فسادات کی آگ بھڑکا کر ان کی معیشت کو تباہ کر دیا گیا عصمتوں پر ڈاکے ڈالے گئے، اور قتل وخون ریزی کا ننگا رقص کیا گیا، باقی کسر ہماری بہادر پولیس مظلوم مسلمانوں کو جیلوں میں ڈال کر اور طرح طرح کے مقدمات میں پھنسا کر پوری کرتی رہی، جس پر مختلف کمیشنوں کی رپورٹیں شاہد ہیں۔تعلیم یافتہ اور برسرروزگار مسلم نوجوانوں کے مورال کو ڈاؤن کرنے کے لئے ان کی گرفتاریاں، اور دہشت گردی کے فرضی مقدمات قائم کر کے دس دس سال پندرہ پندرہ سال جیلوں میں ڈال کر ان کے کیریئر کو تباہ کرنے کا مذموم سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ یہ حادثات ہی کیا کم تھے کہ ۲۰۱۴ء میں بی جے پی کے مسندِ اقتدار پر فائز ہونے کے بعد فرقہ پرست طاقتوں نے موب لنچنگ کے عنوان سے ظلم وستم کا ایک نیا سلسلہ شروع کیا، جنونی عوامی بھیڑ کے ذریعے جس کو چاہا پیٹ پیٹ کر قتل کر دیا۔ دادری کے اخلاق سے لے کر حافظ جنید، پہلو خان اور اکبر خان سمیت کتنے ایسے معصوم ہیں، جو ان کے ظلم کا نشانہ بنے۔ طرّہ یہ کہ علانیہ طور پر یہ لوگ اپنے ان مذموم کرتوتوں کا ویڈیو بنا کر سوشل سائیٹس پر ڈال دیتے ہیں۔ انکے دلوں میں قانون کا کوئی خوف نہیں، اور ہو بھی کیوں؟ جب اقتدار میں بیٹھے کچھ فرقہ پرست لوگوں کے مظبوط ہاتھ ان کی پشت پر ہیں، پھر خواہ گھر واپسی کا مسئلہ ہو یا طلاق ثلاثہ کا، علیگڈھ مسلم یونیورسیٹی اور جامعہ ملیہ کے اقلیتی کردار کا معاملہ ہو، یا مرکزی حکومت کا تعصب پر مبنی شہریت بل لانے کا معاملہ، موجودہ حکومت کی ان تمام مسائل میں گہری دلچسپی ہے جس سے پولرائیزیشن ہو سکے، اور وہ دوبارہ اقتدار میں آ کر آر ایس ایس کے ما بقیہ مقاصد کی تکمیل کر سکے۔

خلاصہ یہ کہ آزادی میں مسلمانوں کی عدیم المثال قربانیوں کا صلہ آزاد ہندوستان میں یہ ملا کہ عملاً وہ دو نمبر کے شہری بنا دیئے گئے ہیں، اور سچر کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق ان کی حالت دلتوں سے بھی بدتر ہو چکی ہے۔ اور آج حقیقت یہ ہے کہ خوف کا ایک ماحول ہے جس میں مسلمان جی رہا ہے۔ اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہندوستانی مسلمان کیا کریں جس سے ان کا مستقبل روشن ہو؟ اور وہ ایسی باوقار زندگی بسر کر سکیں جس میں ان کا مذہبی تشخص، ملی وقار اور تجارت ومعیشت محفوظ رہے، اور برادران وطن کے شانہ بہ شانہ ترقی کی شاہراہ پر وہ بھی بلا خوف و ہراس دوڑ سکیں، اور ہندوستان کو دوبارہ سونے کی چڑیا بنانے میں ایک کلیدی کردار ادا کر سکیں؟ تو اس سلسلے میں ہمیں دنیا کی سب سے سچی کتاب قرآن سے رجوع ہونا پڑیگا، خالقِ کائنات نے بہت صاف الفاظ میں آج سے چودہ سو سال پہلے ہی اعلان کر دیا تھا، ،**وانتم الا علوم ان كنتم مومنين**،، اگر مومن کامل بن کر رہے تو تم ہی سر بلند اور کامیاب وکامراں رہو گے، اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مقام جابیہ میں اپنے کمانڈروں کو مخاطب کرتے ہوئے اسی نکتے کی طرف اشارہ کیا تھا کہ،، **كنا أذلّ قومٍ فاعزّنا الله بألا سلام فمهما نطلب العزّ بغير ما اعزّنا الله به اذلّنا الله** ،، کہ دنیا میں ہم سب سے زیادہ ذلیل تھے، پس اسلام نے ہمیں عزت وسر بلندی عطا فرمائی، پس جب بھی اس چیز کے علاوہ میں عزت تلاش کریں گے جس کے ذریعے اللہ نے ہمیں عزت دی، اللہ تعالی ہمیں ذلیل ورسوا کر دیں گے۔

ہماری پوری چودہ سوسالہ تاریخ ایک کھلی کتاب کی مانند ہمارے سامنے ہے۔تاریخ کے جس دور میں بھی ہم نے مذکورہ بالا ہدایات سے سرتابی کی ذلیل ورسوا ہوئے،اور جب بھی ہم اس پر عمل پیرا ہوئے، گرچہ ہماری تعداد تھوڑی رہی ہو،اسباب ووسائل کا فقدان رہا ہو،لیکن نصرتِ خداوندی کی بدولت کامیابی نے بڑھ کر ہمارے قدم چومے۔ہم ہندوستانی مسلمانوں کے لئے ہماری یہ روشن تاریخ ایک رہنما کی حیثیت رکھتی ہے۔آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اسلام کی آفاقی تعلیمات کو مکمل طور پر اپنا کر ''اُدخلوا فی السلام کافہ'' کا کامل نمونہ بنیں،اوراپنے عقائد،عبادات،معاملات،معاشرت اوراخلاق کوصد فیصد اسلامی تعلیمات کے مطابق بنائیں۔برادران وطن کوبھی،،ادعُ الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ،، کے تحت نرم خوئی کے ساتھ پیار ومحبت سے احسن طریقے پر اسلامی تعلیمات سے روشناس کرائیں،اپنے معاملات کی سچائی اور اخلاق کی بلندی کا گرویدہ بنائیں، پڑوسیوں کیساتھ حسن سلوک کا معاملہ کریں،اپنی صفوں میں کلمے کی بنیاد پر اتحاد پیدا کریں، مسلکی نزاع میں بالکل نہ پڑیں، بلکہ مسلکی نزاع کھڑا کرنے والوں کا سوشل بائیکاٹ کریں، کیونکہ یہ مسلکی تنازعات ملت کے وقار کے لئے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں۔اپنے نونہالوں کواعلی تعلیم سے آراستہ کرنے کی کوشش کریں، کیونکہ یہ ترقی کی شاہِ کلید ہے۔ہمارے صاحبِ ثروت حضرات بھی آگے آئیں،اور جامع منصوبہ بندی کے ساتھ خدمت و بزنس کے مقصد سے مسلم علاقوں میں جابہ جا معیاری اسکول وکالجز قائم کرکے نسلِ نو کے مستقبل کوسنوارنے کا کام کریں۔بیاہ شادی جیسی تقریبات میں فضول خرچی سے کلیتاً احتراز کرتے ہوئے سادگی اختیار کی جائے،خدمتِ خلق اور رفاہی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا جائے،اورانفرادی واجتماعی سطح پر ہروہ کام کیا جائے جس سے ملت کے وقار میں اضافہ ہو،اور ہراس کام سے بچا جائے جس سے اس کوٹھیس پہنچے۔جہدِ مسلسل اور عملِ پیہم کواپنا شعار بنایا جائے۔

الغرض یہ وہ بنیادی چیزیں ہیں،جنہیں اگر ہم اپنالیں تو انشاءاللہ تنزل وانحطاط کا یہ تاریک دور ختم ہوجائے گا،اور ہم اپنے آباؤاجداد کی طرح ہندوستان میں ایک باوقار ملت کی حیثیت سے سراٹھا کر رہ سکیں گے۔اللہ تعالی ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

☆------☆------☆

صفحہ نمبر ۳۲ کا بقیہ الواثقی کہتا ہے کہ ڈر کے مارے میں گر گیا اور تلوار تک ٹوٹ گئی،اور میرے بدن میں کچھ گھس بھی گئی،،بہر حال واثق اس کے بعد واقعی مرگیا،تب واثقی نے یہ یقین کر لینے کے بعد کہ درحقیت خلیفہ کی روح پرواز کرچکی ہے لاش پر چادر ڈال دی،اسی عرصہ الواثقی کومحسوس ہوا کہ آنکھوں کے سامنے کوئی چیز حرکت کررہی ہے،وہ پھر گھبرایا چادر اٹھائی تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک چوہا واثق کی انکھیں نکال لے بھاگا جاتا ہے،بےساختہ زبان پر الواثقی کے جاری ہوگیا،لا الہ الا اللہ یہی آنکھ تھی جس کی معمولی حرکت سے کچھ دیر پہلے میں مرنے کے قریب ہوگیا تھا گر پڑا،تلوار ٹوٹی،اور چند لمحوں کے بعد اسی آنکھ کو چوہا لے بھاگا۔

(مقالات احسانی ص ۱۳۱)

محبتوں کے نادر نمونے

محمد فہیم قاسمی گورکھ پوری
معاون مدیر: ماہنامہ المناظر

اس آستانہ ناز کا جب تذکرہ ہوا!...... تاریخ انسانی اور کائنات عالم میں بہت سے زیرک اور نامور لوگوں نے اپنے نام درج کرائے ہیں، کسی نے عقلمندی اور فراست میں کائنات کے ذہین دماغوں کو زیر کیا ہے، تو کسی نے بہادری اور شجاعت میں لوگوں کے پنجے اور گردن مروڑی، تو کسی نے علم وعمل میں اپنے اعلم الناس ہونے کا اعلان کیا، کسی نے مال و دولت میں اپنے آپ کو قارون کے مقابلے میں کھڑا کیا، تو کسی نے حسن و جمال میں اپنے لئے یوسف ثانی کا لقب اختیار کیا، کسی نے سیاست وحکومت نے اپنی سوچ اور فکر کے ذریعے دوسرے سیاسی بازی گروں کو مات دے کر اپنی حکومت قائم کرلی؛ لیکن جب ہم تاریخ کے اوراق کے گرد کو ہٹاتے ہیں، تو چودہ سو سال پہلے بازار عکاظ میں کشتی اور پہلوانی کرنے والے نوجوان سے ملاقات ہوتی ہے، جو مکہ کے بے پڑھو، میں پڑھا لکھا ذہین وفطین نوجوان ہے، تقریر و تدبیر میں ایسا ماہر ہے کہ اپنے ملک کا سفیر بھی ہے، جس کے لیے نبوت بارگاہ ایزدی میں ہاتھ اٹھائے ہوئے ہے، عقلمند، نامور، زیرک ایسا کہ اطراف عالم میں اس کے نام کا شہرا ہے بیت المقدس کی کنجیاں اس کے حوالے کردی گئی ہیں، بہادر اور شجاعت ایسا ہے مکہ کے شیر دل بہادر اس کو ہجرت کرنے سے نہ روک سکے، بہادری اور معاملہ فہمی نے قیصر وکسریٰ کی بادشاہت کو ختم کر دیا ہے، علم وعمل ایسا ہے کہ قرآن اس کی زبان بولنے لگا ہے، مالدار ایسا ہے کہ قیصر وکسریٰ کے خزانے اور اس کی چمک دمک اس کی آنکھوں کو خیرہ نہ کر سکے ہیں، اور سب کو توڑ کر اپنی رعایا میں تقسیم کر دیا ہے، خوبصورت ایسا ہے کہ پہلوئے محبوب میں سویا ہوا ہے، سیاست وحکومت ایسی کہ دسیوں سال تک اتنی طویل اراضی پر حکومت کی کہ ان اراضیوں پر آج باون سے زیادہ ملک آباد ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثر پیشنگوئیاں اسی خلیفہ کے زمانے میں پوری ہوئیں، انہیں پیشینگوئیوں میں سے وہ پیشین گوئی بھی ہے جو سفر ہجرت کے موقع پر سراقہ ابن مالک کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی وہ اس شان سے پوری ہوئی کہ کسریٰ کے خزانے مدینہ میں جمع ہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ، سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ کو یاد فرماتے ہیں اور کسریٰ کے کنگن پہناتے ہیں، ان کو حکم کرتے ہیں کہ اپنے ہاتھوں کو بلند کیجئے اور خدا تعالیٰ کی حمد وثنا ان الفاظ میں بیان کیجئے؛ **الله اكبر، الحمد لله الذي سلبهما كسرى بن هرمز، الذي كان يقول: انا رب الناس، والبسهما سراقه رجلا أعرابيا، من بني مدلج،** (تعریف اس خدا کی جس نے کسری سے یہ چیزیں لے کر بنی مدلج کے ایک بدو سراقہ ابن مالک کو پہنا دیں، وہ کسری جو کہا کرتا تھا میں لوگوں کا رب ہوں) اور ساتھ ساتھ خود بھی اللہ کی حمد وثنا بیان کر رہا ہو۔ (الاستیعاب: ص/۵۸۲)

حج کا موقع ہے،طواف کرتے کرتے حجر اسود(وہ پتھر جو جنت سے زمین پر اتارا گیا جس کے نور کو اللہ پاک نے ختم کر دیا اگر اللہ پاک اس کے نور کو ختم نہ کرتے تو مشرق سے مغرب اس کے نور سے روشن ہو جاتے یہ وہ پتھر ہے جو ابرار اور نیک لوگوں کے نیکیوں کو تو اپنے اندر نہیں سما سکتا لیکن گنہگاروں کے گناہوں کو اپنے اندر سمیٹ کر کے ان کو اجلا اور ان کی سیاہی سے اپنے آپ کو سیاہ کرتا رہا ہے) کے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں اور اس پتھر کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں مجھے معلوم ہے تو ایک پتھر ہے، مجھے تجھ سے نہ نقصان کا خوف ہے نہ فائدے کی امید ہے؛ لیکن میں تجھے صرف اس لئے چومتا ہوں کہ میں نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے چومتا ہوا دیکھا ہے۔(صحیح بخاری)

ذات نبی پاک پر سو جان سے شیدا عمرؓ ایمان میں، ایقان میں، احسان میں یکتا عمرؓ
باد بہاری کی طرح گزرا عراق و شام سے ابر کرم بن کر اٹھا، ایران پر برسا عمرؓ
ما بعد ختم المرسلیں، کوئی نبی آنا نہیں یہ سلسلہ چلتا اگر تو ایک نبی ہوتا عمرؓ

ڈرتا ہوں سن کے دنیا حیران ہو نہ جائے!...... حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالی عنہ ابوسفیان کی صاحبزادی، مشہور صحابی، کاتب وحی، امیر المؤمنین حضرت معاویہؓ کی ہمشیرہ، ام المؤمنین زینب بنت جحش کے بھائی عبید اللہ ابن جحش کی بیوی اور دو بچوں کی ماں ہیں، کفار کے مظالم سے تنگ آ کر حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے قافلے میں شامل ہیں، نوشتہ تقدیر عبد اللہ بن جحش نصرانی مذہب اختیار کر لیتے ہیں، اور شراب کے عادی ہو کر کیئے ہوئے گناہوں کی سزا بھگتنے کے لئے راہی ملک باقی ہوتے ہیں، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے نکاح کا پیغام بھیجا جاتا ہے جسے بخوشی قبول کر کے حرم نبوی میں داخل ہو جاتی ہیں۔

ابوسفیان ابھی اسلام کی ردائے رحمت اور خدا کی آشنائی سے دور ہیں، اپنی بیٹی ام حبیبہ کے وہاں مہمان بنتے ہیں باپ کا جیسا استقبال ہونا چاہیے استقبال کیا جاتا ہے، ابوسفیان ایک بچھے ہوئے فرش پر بیٹھنے کا ارادہ کرتے ہیں کہ دفعتا وہ بستر موڑ دیا جاتا ہے، ابوسفیان چونک پڑتے ہیں کہ آخر یہ فرش کیوں اٹھا دیا گیا چونکتے کیوں نہیں جس گوشہ جگر کی ناز و نعمت سے پرورش کی اور اس کو بڑا کیا اور پھر اس کے سیرت و کردار سے متاثر ہو کر یہ کہا جاتا رہا ہو کہ **عندی احسن العرب و اجمله ام حبیبه** (میرے گھر میں عرب کی ایک خوبصورت ترین اور جمیل ترین عورت ہے) اسی گوشہ جگر سے ایسی حرکت سرزد ہو تو سردار مکہ کا چونکنا ضروری ہو جاتا ہے، گوشہ جگر سے استفسار کیا جاتا ہے، تم نے یہ فرش کیوں اٹھا لیا؟ جواب دیا جاتا ہے یہ ایسی پاک ذات کا بستر ہے جن کے سینے مبارک کو کئی دفعہ چاک کر کے قلب منور کو آب زمزم سے پاک اور نور کو انڈیل کر پاکیزہ تر بنایا گیا ہے، جس کے تلووں پر جبریل اپنی پیشانیاں ملتے ہیں، جو سدرۃ المنتہیٰ پر حاضر ہوا، جنت و دوزخ کی سیر کی، انسانوں کے بعد نبیوں کی امامت فرمائی، رب نے اپنے دیدار اور ہم کلامی کا اعزاز بخشا، ایسے پاک انسان کے پاک بستر پر کفر و شرک کی ظلمت و تاریکیوں سے لبریز اسلام دشمنی مین کفار کا سردار کیسے بیٹھ سکتا ہے۔

عشق کی ایک جست نے طے کر دیا قصہ تمام!...... بدر کے میدان میں اسلام کے پیرو صف باندھے جنگ کے

لئے مستعد و تیار ہیں، آسمان وزمین اوراس کے بسنے والے رزمگاہ حق و باطل میں ان انسانوں پر گریاں کناں ہے جو اپنے ہی نبی کے مقابلے پر صف آراستہ کیے ہوئے ہیں، جو ان کا ہادی اور رہبر بنا کر اتارا گیا، جب کہ وہ ان کے درمیان اپنی حیات کا ایک طویل حصہ گزار چکا ہے، جو لوگ کہ اب تک صادق وامین کے لقب سے پکارتے رہے، اس کی امانتداری، دیانتداری اور پاکبازی کی قسمیں اٹھاتے رہے، اپنے اموال اس کے پاس بطور ضمان رکھتے رہے، جس کے فیصلوں پر اس کی صداقت وامانت کی وجہ سے عمل کرتے رہے، یکایک جب وہ ان کو فلاح وکامرانی کے لئے پہاڑ پر بلاکر **قولوا لا اله الا الله** سے آواز دیتا ہے اور زندگی کے اصل مقصد سے انھیں ہمکنار کرنا چاہتا ہے، تو اسی سے کہا جانے لگتا ہے تیرا برا ہو کیا اسی لئے تم نے ہمیں جمع کیا تھا؟ انہیں کے درمیان ایک شخص ہے، جو سردار مکہ اور ابوالحکم کے نام سے مشہور ہے، اہل مکہ کو اس میں کیا حکمت ودانشوری نظر آئی کہ اسے ابوالحکم کہنے لگے، آج بھی اس کے متبعین میں ڈاکٹر، انجینئر، سائنسداں، دانشور موجود ہیں، جو بت کو حاجت روا بنائے ہوئے ہیں، سورج کی روشنی کی آگے سر تسلیم خم کئے ہوئے ہیں اور آگ کی پرستش کر رہے ہیں، افسوس اہل مکہ کی کم عقلی اور خرد ماغ پر ان کو ابوجہل کے اندر حکمت ودانشوری کا عنصر نظر آیا؛ مگر جو سراپا حکمت اور مجسم رحمت تھا، اس میں جنونیت اور کہانت نظر آئی اور آج بھی اس کے کم عقل اور خرد ماغ متبعین جنہیں سورج، بت اور آگ میں قوت و طاقت اور حکمت نظر آئی؛ لیکن اس طاقتور ترین ذات جس نے بت بنانے کے لیے مٹی، خس وخاشاک اوران کو تراشنے والے انسان کو تخلیق کیا، جس نے سورج کے اندر گرمی اور روشنی کی قوت رکھی اور آگ میں جلانے کی طاقت رکھی، اس کی جانب نظر بصیرت و بصارت کو نہ پھیر سکے، اور آج بھی اس عظیم خالق کی آشنائی سے محروم اور نامراد ہیں، پھر انہیں اہل مکہ کے درمیان ایسے خیر دماغ اور ذہن رسا طبیعت کے مالک بھی پیدا ہوئے جو ماورائے عقل واقعے کو یہ کہہ کر تصدیق کرتے رہے کہ اگر یہ بات محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کہی ہے تو سچ ہے،

یہ وہی ابوجہل ہے، جس کے ہاتھوں میں کنکریوں نے کلمہ طیبہ کا اقرار کیا جس کے نظروں نے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھا، آج وہی ابوجہل لشکر کو آراستہ کر کے مقابلے پر آ کھڑا ہوا ہے، جس نے لات وہبل کو یقین دلایا ہے آج کے بعد تیری معبودیت قیامت تک کیلئے ثابت ہو جائے گی، آج کے بعد پھر کسی کو تیری تکذیب کی جرأت نہ ہوگی، وہ اس بات سے بے خبر ہے کہ ادھر دعاؤں میں ایک ایسی ہستی اپنے ہاتھ اٹھائے ہوئے ہے، جس کی وجہ سے آسمان وزمین کو بلندی وپستی اور کائنات کو رنگینی عطا کی گئی ہے، جسے کوثر وتسنیم کا ساقی بنایا گیا، جس دن کائنات کے مقرب تریں انسان بھی اپنے امتیوں سے دامن چھڑا لیں گے، اس دن اسی عظیم ہستی کی دعاؤں کو شرف قبولیت عطا کی جائے گی، تو آج اس کی دعائیں کیوں کر رد کی جاتیں۔

عبدالرحمن ابن عوف کہتے ہیں کہ بدر کی لڑائی میں میں صف کے ساتھ کھڑا ہوا تھا، میں نے جو دائیں اور بائیں جانب دیکھا، تو میرے دونوں طرف انصار کے دو نو عمر لڑکے تھے، میں نے آرزو کی کہ کاش میں ان سے زبردست، زیادہ عمر والوں کے بیچ میں ہوتا، اچانک ایک نے میری طرف اشارہ کیا اور پوچھا چچا! کیا آپ ابوجہل کو بھی پہچانتے ہیں؟ میں نے کہا ہاں؛ لیکن بیٹے تم لوگوں کو اس سے کیا کام ہے، لڑکے نے جواب دیا مجھے معلوم ہوا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا ہے، اس ذات کی قسم

جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس وقت تک میں اس سے جدا نہ ہوں گا، جب تک ہم میں سے کوئی جس کی قسمت میں پہلے مرنا ہوگا مر نہ جائے، مجھے اس پر بڑی حیرت ہوئی، پھر دوسرے نے اشارہ کیا اور وہی باتیں اس نے بھی کہی، ابھی چند منٹ ہی گزرے تھے کہ ابو جہل دکھائی دیا، جو لشکر میں گھوم پھر رہا تھا، میں نے لڑکوں سے کہا جس کے متعلق تم مجھ سے پوچھ رہے تھے وہ سامنے پھرتا ہوا نظر آرہا ہے، ابو جہل پر نظر کیا پڑی نبی کے عشق کی گرمی اور ایمان کی بجلی کوند پڑی، تلوار نیام سے باہر ہوگئی، تلواروں کے سایے سے تیروں اور نیزوں کے زخم سے خود کو بچاتے ہوئے، ملعون ابو جہل تک پہنچتے ہیں، پھر تھوڑی ہی دیر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی پوری ہوتی ہے، تاریکیوں کا پجاری، لات وہبل کا رکھوالا، کفر وشرک کا داعی دو ننھے مجاہدوں کے درمیان مٹی میں تڑپ رہا تھا، خدا اپنی قدرت کا ظہور کررہا تھا وہی قدرت جو چھ سو سال پہلے ہاتھی والوں کے پر ظاہر ہوئی تھی۔

قلب ونگاہ حسن کے سانچے میں ڈھل گئے! .... احد کے میدان میں کفر واسلام کے ماننے والے باہم دست و گریباں ہیں، اسلام کے ماننے والوں کی فتح یقینی بن چکی ہے؛ بلکہ ہو چکی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک اس مقام سے مت ہٹنا کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے، ارشاد مبارک کی تعمیل کرنے والے شہید کردیئے گئے ہیں، خالد بن ولید کے حملے نے مسلمانوں میں بے چینی پیدا ہو چکی ہے اور یقینی فتح شکست میں تبدیل ہونے لگتی ہے، کفار کے حملہ سے حضور زخمی بھی ہو چکے ہیں، یہ خبر بھی میدان میں پھیلی ہوئی ہے کہ حضور قتل کردیئے گئے، حیرت واستعجاب کی حالت میں ہتھیار اتار دیئے جاتے ہیں، ہمتیں پست ہو جاتی ہیں، جوش وولولہ ماند پڑ جاتا ہے، اب حضور ہی نہ رہے تو لڑنا کس کے لئے، پھر رزم گاہ حق وباطل میں حضور کے زندہ ہونے کی خبر مشہور ہوتی ہے، کفر کی پوری قوت اور سارا زور شمع نبوت کے گل کرنے کے در پہ ہے، چند نفوس ہیں جو شمع نبوت کا ہالہ کئے ہوئے ہیں، اور کفر کے ہر زور اور ہر وار کے لئے اپنے کو سینہ سپر کئے ہوئے ہیں، زیاد بن السکن پانچ سات انصاری نوجوانوں کو لیکر ایک حصار کی طرح نبی رحمت کی حفاظت میں کھڑے ہوئے ہیں، اور اپنے ساتھیوں سمیت اپنی جان کا نذرانہ پیش کرکے راہی جنت ہوتے ہیں، ابو دجانہؓ وابو طلحہؓ اپنے جسم کو حضور کے لئے ڈھال بنائے ہوئے ہیں، تیر وتفنگ کے زخموں سے بدن چھلنی ہے ابن قمیہ جو آپ کے قتل کے در پہ ہے، اس کی تلوار کے وار ہاتھوں پر لیکر اپنی انگلیوں کو شہید کرا کر حضور کو محفوظ مقام پر پہنچاتے ہیں، بدقسمت اور بدنصیب انسان ہیں وہ اپنی طرف بھیجے گئے نبیوں اور رسولوں کو قتل کرنے کی کوشش کی یا قتل کیا، خوش قست اور نصیب والے ہیں، وہ پاکیزہ نفوس جنھوں نے اپنی جان دے کر نبی اور رسول کی حفاظت فرمائی۔ **فجزاک اللہ احسن الجزاء** (الاصابہ: ج۳/ص۴۳۱)

کسی کو بچاتے ہوئے اپنی جان چلی جائے، جب کہ موت کا یقین نہ ہو ایسی مثالیں تو ملتی ہیں، لیکن جب موت سامنے ہو اور اپنی جان دے کسی کی حفاظت کرنا ہو، ایسی مثالیں یقیناً نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہیں۔

جاری۔۔۔

ووٹ اور ہماری ذمہ داری

مولانا محمد عبداللہ قاسمی اعظمی
معاون ایڈیٹر: مجلّہ پاسبان

سینۂ گیتی پر بسنے والا انسان فطرتاً سماج پسند ہے، زندگی کے لمبے سفر میں وہ ہر آن اپنے ہم جنسوں کا محتاج ہوتا ہے، دوسرے انسانوں کا ضرورت مند ہوتا ہے، اپنے احساسات وجذبات کو سناتا ہے اور سنتا ہے، دکھ درد میں شریک کرتا ہے، اور پھر اسی تبادلہ خیال اور اشتراک عمل کے نتیجے میں معاشرہ وجود میں آتا ہے، اس کے دائرے کی وسعت تقاضا کرتی ہے کہ اجتماعی زندگی کسی دستور کی پابند ہو کسی نظام کے ماتحت ہو، تاکہ معاشرے کی اجتماعیت ترقی کی راہوں پر گامزن ہوجائے، امن وامان کی فضا قائم ہوجائے، کسی کی حق تلفی کا خطرہ محسوس نہ ہو، معاشرہ مضبوط ڈسپلن اور مستحکم ضوابط وقوانین کے سائے میں انسانیت کا گہوارہ بن جائے، اس مقصد کے لیے انسانوں کے اعلیٰ دماغوں نے اجتماعی زندگی گزارنے کے لیے مختلف نظامہائے حکمرانی وضع کئے۔ اپنے تجربات کے مطابق قوانین مقرر کئے تاکہ اس کے دائرے میں رہ کر معاشرہ راہ حیات کے تمام مراحل بآسانی طے کرسکے۔

ان نظام ہائے حکومت وسلطنت کے مختلف اقسام میں سے ایک قسم جمہوری نظام ہے، اور ہمارا ملک ہندوستان آزادی کے بعد اسی نظام کے تحت چل رہا ہے، اس نظام میں شاہی حکومت کے برعکس حکمرانی عوام کی ہوتی ہے' کہ اسی کی مرضی کے مطابق حکومت سازی ہوتی ہے اور جس شخص کے ہاتھوں میں عنان اقتدار سونپی جاتی ہے وہ حقیقتا عوام کا نمائندہ ہوتا ہے دوسرے لفظوں میں عوام کی اکثریت کا ترجمان ہوتا ہے کہ اسی کی رائے یعنی ووٹ کے ذریعے وہ اقتدار اعلیٰ تک پہونچتا ہے۔

ووٹ کی شرعی حیثیت

ووٹ کی شرعی حیثیت شہادت وگواہی کی ہے، اور شہادت کہتے ہیں، **قول صادر عن علم بمشاهدة بصر او بصيرة** اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ جسے ووٹ دے رہے ہیں اپنی علم وبصیرت کی بنیاد پر اسے تمام امیدواروں میں سب سے لائق سب سے اچھا ہونے کی گواہی دے رہے ہیں اور یہ باور کرارہے ہیں کہ یہ شخص پوری دیانت داری سے اپنی ذمہ داری کو انجام دے گا، جیسا کہ ابھی آپ نے پڑھا کہ ووٹ ایک شہادت ہے اور شہادت کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ربانی یہ ہے، **ولا تكتموا الشهادة ومن يكتمها فانه آثم قلبه** آیت البقرہ ۲۸۳ ''اور گواہی کو مت چھپاؤ اور جس نے گواہی کو چھپا دیا تو یقیناً اس کا دل گنہگار رہے'' آیت کریمہ میں شہادت کے چھپانے کو گناہ قرار دیا گیا ہے لہذا اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ گواہی طلب کرنے پر گواہی دینا واجب ہے، اس کی تشریح ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول مشہور ہے کہ **على الشاهد ان**

یشھد حیثما یستشھد: الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ر ج ۳ر ص ۴۱۵ر''یعنی گواہ کو جہاں گواہی کے لیے طلب کیا جائے اس کے لیے گواہی دینا ضروری ہے'' ان تمام مذکورہ وجوہات کی بناء پر ووٹ دینا شرعی نقطہ نگاہ سے ضروری قرار دیا گیا۔

ووٹ کی اہمیت

جمہوری نظام میں حق رائے دہی ایک بہت بڑی طاقت ہے اگر عوام نے اپنی اس طاقت کا استعمال بلا سوچے سمجھے کر دیا اور عنان اقتدار یعنی حکومت کی باگ ڈور ایسے نااہل، ضمیر فروش، ملک کی چادر عظمت وعفت کو بیچنے والے کے ہاتھ میں سونپ دی تو ملک کے اقبال کا سورج کراہتے ہوئے ظلم و جبر کی وادی میں ہمیشہ کے روپوش ہوجائے گا، امن وامان، اور عدل و انصاف کا جنازہ نکل جائے گا اچھے لوگ خواہ وہ کسی بھی مذہب کے ہوں بے کیفی واضطراب سے ٹوٹنے لگیں گے، عزتیں ہوس کی بھینٹ چڑھ جائینگی، انسانیت دربار کی رکھیل بن جائے گی، لیکن جو صاحب بصیرت ہیں جن کے اندر احساس کے اظہار کی قوت ہوتی ہے وہ فریب کے پردوں میں چھپے منافقت کے چہروں کو بے نقاب کر کے ملک وقوم کو بے آبرو ہونے سے بچا لیتے ہیں اور اس شخص کو اقتدار کی کرسی پر بٹھاتے ہیں جس کے سینے میں ملک اور اہل ملک سے محبت کا چراغ روشن ہو؛ کیونکہ قیادت جب بصیرت مندانہ عناصر سے لبریز ہو، شعور کی پختگی اور اخلاص کی دولت سے مالا مال ہو تو آسمانوں کی بلندیاں بھی اس کے قدموں پے نثار ہونے کو سرمایہ افتخار سمجھتی ہیں، منزلیں خود بخود سمٹ کر قدموں میں آجاتی ہیں، راستے کے پتھر پھول بن جاتے ہیں، کامیابیوں کا لشکر ہمرکاب ہوجاتا ہے۔

دردمندانہ اپیل

انسانوں کی اس بھیڑ میں جہاں ضمیروں ظرف کی سوداگری عروج پر ہے رحم و ہمدردی کی موشگافیاں جہاں انانیت کے اذیت ناک حصار میں قید ہیں، امن وسلامتی اور ترقی وخوشحالی جیسے سرمائے جہاں جنس بازار بن چکے ہوں، آپ کی بہترین تدبیر اور حالات شناسی سے منجدھار میں ہچکولے کھاتی ہندوستان کی ناؤ کو محبت والفت اور ترقی وترویج کا ساحل عطا کر سکتی ہے، پتھراء ہوء ناامید آنکھوں میں امید کی چمک پیدا کر سکتی، لہذا تمام باشندگان ہند سے درخواست ہیکہ اپنے ووٹ کا صحیح استعمال کر کے ظالم کو اس کے منطقی انجام تک پہنچانے میں اپنا اپنا کردار ادا کریں کیونکہ وقت ہر انسان کو زندگی سنوارنے کا ایک ہی موقع دیتا ہے ..اس لیے ہم اس موقعے کو غنیمت سمجھتے ہوئے سچے اور اچھے لیڈر کا انتخاب کریں اور اپنا فرض منصبی سمجھتے ہوئے ووٹ دیں، اس حوالے سے ایک فرض کی طرح اہتمام کریں'، اپنی رائے کو صحیح اور وقت کے تیور کے پیشِ نظر درست محل میں استعمال کر کے اعلیٰ بصیرت کا ثبوت دیں، تاکہ کل آنے والا وقت جب تاریخ رقم کرے تو ہماری بے بصیرتی اور اور شعور وآگہی سے محرومی کا مرثیہ نہ رقم کر سکے۔

جو چھپے دل میں وہی تنکے لئے

محمد فہیم قاسمی گورکھ پوری

امت مرحوم کی ہے کس عقیدے میں نجات

ہارون رشید کے دربار میں ایک شخص ہتھکڑیوں، بیڑیوں میں جکڑا ہوا پیش کیا گیا، احمد ابن ابی داؤد دربار میں موجود تھا، اس قیدی نے پوچھا جو تم قرآن کو مخلوق کہتے ہو اس کا علم رسول اللہ ﷺ کو تھا یا نہیں؟ اور انہوں نے لوگوں کو اس عقیدے کی تعلیم کیوں نہیں دی؟ اس پر لوگ خاموش رہے، لیکن ابوداؤد نے جواب دیا، ہاں رسول اللہ ﷺ کو اس کا علم تھا، لیکن آپ نے لوگوں کو اس کی طرف مائل نہیں فرمایا، اس پر قیدی نے کہا، جس کام کو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا اس کو کیوں کرتے ہو؟ اس سوال پر لوگ انگشت بدنداں وحیران رہ گئے، اور ہارون نے ٹھٹھا مارا اور پھر زنانہ محل میں چلا گیا اور وہاں لیٹ کر کہنے لگا، جس کام کو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا اسے کرنے کا ہمیں کیا حق ہے اور قرآن کریم کے مخلوق ہونے کے عقیدے سے جب رسول اللہ ﷺ نے سکوت فرمایا تو ہم کو یہ جبرا اسکے منوانے کا کوئی حق نہیں ہے، اس کے بعد اس قیدی کو آزاد کرتے ہوئے تین ہزار اشرفیاں دیں، اور اسے اسکے شہر بھجوا دیا، اس واقعہ کے بعد ہارون کسی کو عقیدہ خلق قرآن معلوم کرنے کے لئے اپنے دربار میں طلب نہیں کیا، اور اسی دن سے احمد ابن ابی داؤد سے بدظن رہنے لگا، کہتے ہیں کہ ہارون کے دربار میں جو قیدی پا بہ جولاں لایا گیا تھا، اور جس سے ابن داؤد کے سوالات وجوابات ہوئے تھے ان کا نام عبدالرحمٰن عبداللہ ابن محمد ازدی تھا، جو امام ابوداؤد اور امام نسائی کے استاذ تھے۔

(تاریخ الخلفاء/۳۲۵)

پسینہ موت کا ماتھے پہ آیا

الذہبی نے مختصر دول الاسلام میں نقل کیا ہے، کہ واثق باللہ کا خادم خاص جو الواثقی کے نام سے مشہور تھا اسی کا بیان ہے کہ واثق جب بیمار ہوا، تو اسکی تیمارداری میرے ہی سپرد تھی، حالت واثق کی جب خراب ہوئی، تو میں نے دیکھا کہ اس پر غشی طاری ہو گئی ہے، میں نے محسوس کیا کہ وہ ختم ہو گیا ہے، پاس میں جو لوگ تھے ان کو بلایا اور کے دوسرے سے اشارہ کیا کہ واثق کے قریب جا کر دیکھے کہ واقعی روح پرواز کر چکی ہے یا رمق باقی ہے، لیکن کسی کو ہمت نہ پڑتی تھی، آخر میں ہی دل مضبوط کر کے آگے بڑھا، میں نے اہستہ سے اس ناک پر سانس کا پتہ لگانے کے لئے انگلی رکھی کہ اچانک واثق نے آنکھیں کھول دیں، الواثقی کہتا ہے کہ نہ پوچھو اس واقعہ کا مجھ پر کیا اثر مرتب ہوا، اس کے الفاظ ہیں، **فكدت ان اموت** (اتنا گھبرایا کہ قریب تھا کا کہ میں خود مر جاتا) گھبراہٹ اسکی اتنی تھی کہ موت کے انتساب کو واثق کی زندگی میں ہی گویا ممکن قرار دیا، باز پرس کے خوف نے اس ہر ہیبت طاری کر دی، لیکن خیر گزری کہ واثق کی آنکھ آخری دفعہ کھلی تھیں اور پھر وہ ہمیشہ کے لئے بند ہو گئیں، بقیہ صفحہ نمبر/۲۵ پر

پگڑی والا باورچی

۱۸۸۷ء میں پہلی بیٹی کی شادی پر میں اتنا ہی بدحواس تھا جتنا ہر باپ کو ہونا چاہئے، بارات کے سات سو مہمانوں کے کھانے کا انتظام کرنا تھا، جون ایلیا نے مشورہ دیا، جانی رئیس بھائی سے پوچھ، ان کے قبضے میں جنات ہیں، رئیس امروہوی فکر سخن میں محو تھے، سر اٹھا کر بولے، پگڑی والا سب کر دے گا، لالوکھیت سپر مارکیٹ کے پیچھے ملے گا اور پھر بحر خیال میں غوطہ زن بڑی حیرانی ہوئی، پوچھنے پر راہ چلتے پہلے ہی شخص نے ان تک پہنچا دیا۔ بان کی چارپائی گلی میں ڈالے آتے جاتے نئے باورچیوں کو ڈانٹ رہے تھے اور پرلٹھے کی واسکٹ نیچے، چارخانے کی لنگی ستر کے پیٹے میں تھی، بھاری بدن، سرسید خان والی داڑھی اور گونجتی بھاری آواز، وہیں پٹی پر ٹک کے میں نے عرض مدعا کی۔ رئیس صاحب کے حوالے پر مسکرائے اور جنگ میں تازہ قطع دیکھ کے بولے، گرم مسالہ زیادہ ہے آج۔۔۔ کہہ دینا۔

خیر میاں! کیا کھلاوگے باراتیوں کو، بیٹھے کا سن کر نفی میں سر ہلانے لگے، گاجر کا حلوا نہیں بن سکتا، میں نے حیرانی سے کہا کہ سب بنا رہے ہیں، خفگی سے بولے، سب میں ہم نہیں ہیں، نئی گاجر ہے، پانی والی، کھوئے کی مار دو پھر بھی ذائقہ نہیں آتا، مہمان کے سامنے تو جو رکھو گے کھالیں گے، پگڑی والے کی عزت خاک میں مل جائے یہ ہمیں منظور نہیں، میں نے اصرار نہیں کیا۔ دیگر امور طے ہو گئے تو چلتے چلتے میں کہہ بیٹھا، میں رئیس صاحب کے کہنے پر آ گیا، پتہ نہیں آپ کیسا پکاتے ہیں؟ ناگواری کے آثار سے اندازہ ہوا کہ میری بات انہیں بری لگی اور کیوں نہ لگتی، کوئی مہدی حسن خان سے کہتا کہ معاوضہ تو مل جائے گا؛ لیکن پتہ نہیں آپ گاتے کیسا ہے؟ تو کیا وہ انکار نہ کر دیتے، پگڑی والے نے رئیس صاحب کے حوالے کا لحاظ کیا۔

تقریب سے ایک دن قبل رات بارہ بجے کال بیل پر نکل آیا، دیکھا تو پگڑی والا خوان پوش سے ڈھکا ہوا تھال لیے ہوئے موجود، کسی تقریب سے لوٹے تھے، بولے، لو میاں! دیکھو ہم کیسا پکاتے ہیں اور سوزوکی میں بیٹھ یہ جا وہ جا، یہ کہنا عبث ہے کہ کھانا ان کی فنکاری کی سند تھا، بارات سے ایک دن قبل طلب کیا اور بولے میاں بنڑے کی دیگ کا کیا ہوگا؟ میں سٹپٹایا اور پوچھا یہ کیا ہوتی ہے؟ وہ ہنسے اور بولے میاں دلہن کے ساتھ بھی تو کھانا جائے گا۔

تقریب میں اپنے ساتھ خوبصورت گوٹے کے کام والے، خوان پوشوں سے ڈھکی دو چھوٹی دیگیں الگ لائے، خود سنہرے طرے والی پگڑی اور شیروانی میں عصا تھامے کرسی پر بیٹھے شاگردوں کو ڈانٹ ڈپٹ کرتے رہے؛ مگر انہوں نے میرے بیٹوں کو بھی نہیں بخشا، جہاں کسی کو فارغ دیکھتے ڈانت لگاتے، میاں مہمان ہو، آپ کی بہن کی بارات ہے، میزبان ہو تم، خیال رکھو مہمانوں کا کسی میز پر کچھ کم تو نہیں، رخصتی کے بعد دیکھا تو وہ غائب، معلوم ہوا چلے گئے، کیسے چلے گئے پیسے لیے بغیر چلے گئے؛ مگر وہ واقعی اسباب سمیت جا چکے تھے۔۔۔ اگلے دن ولیمہ تھا، پھر چوتھی کی رسم، پانچویں دن فرصت ملی، تو میں ان کے گھر گیا اسی طرح گلی میں چارپائی ڈالے بیٹھے ملے، میں نے کہا سارا کام آپ نے بہت اچھا کیا، خرابی آخر میں کی کہ پیسے لیے بغیر

چلے آئے ،وہ مسکرائے اور بولے میاں لڑکی والوں سے پیسے آج تک نہیں مانگے ہم نے ،اللہ جانے ان پر کیسا وقت ہو؟ بیٹی کی شادی آسان نہیں ہوتی ،نصیب کا ہوگا تو وہ خود ہی دے جائے گا، جیسے تم خود آ گئے ورنہ میں کبھی مرتے دم تک نہ آتا۔۔۔ میں دم بخود پگڑی والا کو،اس باورچی کو دیکھتا رہا جس کا طرہ دستار اس کے نا قابل یقین وضعداری،فراخدلی اور توکل نے میری نظر میں ماؤنٹ ایورسٹ سے بھی اونچا کر دیا تھا، یہ بیس ہزار روپے کی رقم تھی، آج ستائس سال پہلے کے بیس ہزار آج کے کم سے کم دولاکھ تو تھے شاید۔۔۔ جو انہوں نے دو روپے کی طرح چھوڑ دیے تھے کہ نصیب میں ہونگے تو مل جائیں گے،ان کے مرنے تک ایسا رہا کہ ہم فون کرتے تھے اور وہ تقریب کا انتظام ایسے سنبھال لیتے جیسے میزبان ہم نہیں وہ ہیں۔۔۔ اب یہ فقرہ دوبارہ پڑھیں اور سوچیں کہ کیا اب بھی ایسے لوگ ہیں اس دنیا میں وہ مسکرائے اور بولے، میاں!!! لڑکی والوں سے پیسے آج تک نہیں مانگے ہم نے ،اللہ جانے ان پر کیسا وقت ہو بیٹی کی شادی آسان نہیں ہوتی نصیب کا ہوگا،تو خود ہی دے جائیں گے جیسے تم خود آ گئے ہو، ورنہ میں کبھی مرتے دم تک نہ آتا۔۔۔۔۔۔۔ڈھونڈو گے اگر ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم

☆---☆---☆

زکی کیفی مرحوم

با وصف ضبط آنکھ سے آنسو نکل گئے
یہ آفتاب چڑھنے نہ پائے کہ ڈھل گئے

اب کیا ستائیں گی ہمیں دوراں کی گردشیں
اب ہم حدودِ سود و زیاں سے نکل گئے

اب اعتبارِ غم ہے نہ احساسِ آرزو
شاید تری نگاہ کے تیور بدل گئے

جھک کے اس ادا سے اٹھی آج وہ نظر
میری جبینِ شوق پہ سجدے مچل گئے

جب عرضِ غم کی کوئی بھی صورت نہ بن سکی
ہم ان کی بزمِ ناز میں لے کر غزل گئے

کیفی غمِ حیات سے روشن ہے زندگی
گوہر وہی بنے ہیں جو طوفاں میں پل گئے